اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

مدیر مسئول
(مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۴ | محرم الحرام ۱۴۴۵ھ | اگست ۲۰۲۳ء | شمارہ ۸

الباطن

(فکر اصلاح باطن) (قسط دوم)

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۵۰ روپے
زر سالانہ =/ ۶۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور
35422213
35433049

پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

الباطن

(فکر اصلاح باطن) قسط دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے یہ وعظ ازالہ غفلت وضرورت اصلاح باطن کے متعلق بمقام مسجد مدرسہ احیاء العلوم الٰہ آباد ۱۳ ربیع الاول ۱۳۲۶ ہجری یوم جمعہ ایک گھنٹہ ۵۵ منٹ چوکی پر بیٹھ کر خطاب فرمایا جس کو حضرت مولانا محمد مصطفیٰ بجنوری صاحب نے قلمبند فرمایا۔ حکیم الامت نے ظاہر کی اصلاح کے ساتھ باطن کی اصلاح کرنے کی ترغیب اور اس کا طریقہ بیان فرمایا انتہائی مفید وعظ ہے۔

اللہ تعالیٰ قارئین کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

نوٹ: اس وعظ کی پہلی قسط کا آخری عنوان (امر حیرت) تھا اور اس دوسری اور آخری قسط کا پہلا عنوان (دل کی اصل غذا) ہے۔

خلیل احمد تھانوی

۶۔ شوال ۱۴۴۴ھ

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱.........	دل کی اصل غذا......................	۷
۲.........	اصلاح باطن کی ضرورت......................	۸
۳.........	نرا خیال کافی نہیں......................	۱۰
۴.........	خیال خود مقصود بالذات نہیں......................	۱۱
۵.........	یاد اور خیال میں فرق......................	۱۱
۶.........	غفلت کا علاج......................	۱۲
۷.........	ہیبت حضوری......................	۱۳
۸.........	نماز میں خدا کے روبرو ہونے کا استحضار......................	۱۴
۹.........	غفلت کے درجات......................	۱۵
۱۰.........	تعلق مع اللہ اور تعلق مع الغیر میں فرق......................	۱۶
۱۱.........	دل اللہ کے رہنے کی جگہ......................	۱۷
۱۲.........	دل سے مانع خیالات نکالنے کا عمدہ علاج......................	۱۸
۱۳.........	دل سے خیالات مٹانے کی عمدہ تدبیر......................	۱۹
۱۴.........	امر تحریص......................	۲۰
۱۵.........	حق سبحانہ وتعالیٰ کا غایت کرم......................	۲۱
۱۶.........	آج کل کی عاشقی......................	۲۱
۱۷.........	پابندی اعمال میں حکمت......................	۲۳
۱۸.........	نفس کا ایک دھوکہ......................	۲۴
۱۹.........	ریاء کا انجام بد......................	۲۵
۲۰.........	پر سکون زندگی......................	۲۶
۲۱.........	ذاکرین کے ایک مغالطہ کا جواب......................	۲۷

۲۲..........	بشاشت کی دو قسمیں......................	۲۷
۲۳..........	وسوسہ ریاء..........................	۲۸
۲۴..........	مسلمان کے لیے ہر حالت خیر ہے..............	۲۸
۲۵..........	وسوسہ ریاء ریاء نہیں......................	۲۹
۲۶..........	اضاعت وقت سے بچنے کا طریقہ..............	۳۰
۲۷..........	شیخ کامل کی ضرورت......................	۳۱
۲۸..........	خلاصہ بیان..........................	۳۴
۲۹..........	قلب کا اصل مرض......................	۳۴
۳۰..........	دعا کا مفہوم..........................	۳۵
۳۱..........	دعا عبادت کا مغز ہے......................	۳۶
۳۲..........	غفلت کی مذمت......................	۳۷
۳۳..........	دل کو خیالات سے خالی کرنا آسان کام نہیں..........	۳۸
۳۴..........	ہر وقت ذکر اللہ کی ضرورت..................	۴۰
۳۵..........	وضو اور ذکر باہم مشابہت..................	۴۲
۳۶..........	ذکر اللہ کی مشق کی ضرورت..................	۴۲
۳۷..........	ہر وقت ذکر کی ضرورت..................	۴۴
۳۸..........	انسان بندہ بننے کے لیے ہے..................	۴۵
۳۹..........	عبودیت عجیب چیز ہے..................	۴۵
۴۰..........	ہر وقت عبادت کی ضرورت..................	۴۶
۴۱..........	عبادت اور ذکر دائمی مطلوب ہیں..............	۴۷
۴۲..........	خلاصہ وعظ..........................	۴۷
۴۳..........	اخبار الجامعہ..........................	

ماہ جولائی 2023ء کے وعظ کا آخری عنوان (امر حیرت) تھا۔

دل کی اصل غذا

صاحبو! اصل غذا قلب کی ذکر اللہ ہے جو چیز اس سے مانع ہو اس کو قلب سلیم ایسا ہی سمجھتا ہے جیسے پاخانہ کو کہ اس کے تصور سے بھی نفرت ہوتی ہے اور قے آتی ہے۔ خصوصاً معاصی (۱) کے خیالات وہ تو بالکل ہی گندی چیز ہیں وہ تو سچ مچ پاخانہ کے برابر ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ گھن کی چیز ہیں ان گندے خیالات کا تو ذکر ہی نہیں یہ تو ان خیالات کا ذکر ہو رہا ہے جو کہ معصیت نہ ہوں مگر غیر ضروری ہیں۔ جب یہ بھی ہیں تو خیالات معصیت تو مضر زہر ہیں، غرض ضروری خیالات کو منع نہیں کیا جاتا، ہاں غیر ضروری سے ضرور روکا جاتا ہے کیونکہ یہ مانع ہیں (۲) ذکر اللہ سے دیکھئے کسی کو طلب معاش کے لیے کچہری جانا ہوتا ہے یہ ضروری کام ہے، پھر وہاں کچہری کے کاموں میں اور ان کے خیالات میں مصروفیت رہتی ہے یہ بھی ضروری ہے اور ان دونوں سے منع نہیں کیا جاتا لیکن کچہری میں چھ ہی گھنٹے تو رہنا ہوتا ہے ان چھ گھنٹوں میں مصروفیت سہی باقی ۱۸ گھنٹے کیوں خراب کیے ان میں مصروفیت کیوں رہتی ہے ان میں دل کو فارغ کیوں نہیں رکھتے ان گھنٹوں میں قلب کو خیالات سے پُر رکھنے کی کیا وجہ ہے، بتلایئے یہ زائد از کار (۳) اور فضول ہے یا نہیں بس اسی پر ہمارا اعتراض ہے کہ اس فاضل وقت میں قلب کے اندر خیالات کیوں بھرے رہتے ہیں پھر اکثر خیالات بھی کسی امر مباح (۴) کے نہیں بلکہ ناجائز اور حرام چیزوں کے کہیں اجنبی عورت کو سوچ رہے ہیں کہیں حرام خوری کی تجویزیں کر رہے ہیں، کہیں رشوت کے ذرائع سوچ رہے ہیں، یہ ۱۸ گھنٹے بھی اسی مشغلہ میں گزر جاتے ہیں، ۶ گھنٹے جو کچہری میں رہنے کے ہیں اس کی نسبت تو کہا جاتا ہے کہ ضروری ہے خیر یہ ضروری سہی مگر ۱۸ گھنٹے جو ان فضول مشغلوں میں گزار دیئے جس سے ۲۴ گھنٹے پورے ہو گئے یہ کون سے ضروری کام میں صرف ہوئے، کسی میں بھی نہیں پھر

(۱) گناہوں کے خیالات (۲) ذکر اللہ سے روکنے والے ہیں (۳) یہ بیکار اور فضول ہے کہ نہیں (۴) جائز کام۔

خدا کی یاد کے واسطے کونسا وقت رہا کوئی سا بھی نہیں، کچھ وقت ضروری مشغلوں میں گیا اور کچھ غیر ضروری بلکہ مضر اور معصیت (۱) میں میزان پوری ہوگئی، دن رات کے ۲۴ گھنٹے ختم ہوگئے پھر ایک دن ختم ہوا، دوسرا ختم ہوا، تیسرا ختم ہوا اسی طرح سلسلہ جاری رہا اور ساری عمر ختم ہوگئی، شاید ذکر اللہ کا وقت مرنے کے بعد آئے گا۔

اصلاح باطن کی ضرورت

تو صاحبو! سمجھ لیجئے کہ مرنے کے بعد ذکر اللہ کا وقت نہیں آئے گا، اس وقت تو حسرت اور افسوس کرنے کا وقت آئے گا مگر اس وقت کی حسرت اور افسوس سے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا، اگر یہ بھی ہوتا کہ خیر وقت ضائع کیا گیا، کچھ اس کا وبال آئندہ کے لیے نہ رہتا تو چنداں ملامت نہ تھی مگر یہاں تو معاصی کے خیالات میں وقت صرف ہوا ہے جس کا وبال آئندہ کے لیے باقی ہے جس سے پیچھا چھوٹنا مشکل ہے۔ ذکر اللہ سے محرومی رہی اور وبال اور عذاب سر رہا، نہایت افسوس کی حالت ہے یہ ان لوگوں کی حالت ہے جو شریعت کا نام لیتے ہیں اور گناہ سے پرہیز رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم شریعت کے متبع رہیں (۲) کہ ان کی نظر بھی صرف ظاہر ہی تک پہنچتی ہے حالانکہ حق تعالیٰ باطن کو بھی دیکھتے ہیں اگر کسی نے ظاہری صورت درست کر ہی لی تو کیا ہوا، اصل درستی تو باطن کی ہے صرف ظاہر کی درستی کی حالت تو یہ ہے:

از بروں چوں گور کافر پر حلل   واندروں قہر خدائے عزوجل
از بروں طعنہ زنی بر بایزید   وز درونت ننگ می دارد یزید (۳)

یہ وہ حالت ہے کہ دیکھنے والے تو سمجھتے ہیں بڑے دیندار ہیں، متشرع ہیں، پرہیزگار ہیں، اللہ والے ہیں اور حقیقت میں نہ دیندار ہیں نہ متشرع معاصی (۴) سے دل بھرا ہوا ہے اس میں اللہ کی یاد کہاں حیف ہے (۵) کہ صورت ایسی اور سیرت ایسی، کہلاتے ہیں اللہ والے اور اللہ تعالیٰ کے نام کا وہاں گزر ہی نہیں اللہ کی یاد کسی وقت بھی

(۱) بلکہ نقصان دہ اور گناہ کے کام میں (۲) شریعت کے تابع رہیں (۳) ’’ظاہر کی درستی کی مثال تو ایسی ہے جیسے کافر کی قبر کو باہر سے اچھے اچھے لباس سے آراستہ ہے اور اندر اس کے اللہ تعالیٰ کا قہر اور غصہ نازل ہو رہا ہے صرف ظاہر کو اچھا رکھ کہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ پر بھی طعنہ زنی کرتا ہے حالانکہ باطن تیرا ایسا ہے کہ اس کو دیکھ کر یزید تک کو شرم آئے (۴) نہ شریعت کے پابند دل گناہ سے پر ہے (۵) افسوس ہے۔

دل میں نہیں، دوسری ہزاروں چیزیں دل میں بھری ہوئی ہیں۔ یہ تحقیق تو امر ثانی یعنی تعلق مع اللہ کی جو کہ اصل ہے جس کا حاصل ہوا اللہ کی یاد اب رہا دوسرا امر یعنی امراض باطنہ کی تحقیق سو سمجھنا چاہیے کہ گو امراض بے شمار ہیں لیکن ان سب کی اصل مشاہدہ وتجربہ سے صرف ایک ہے یعنی غفلت عن اللہ (۱) جو کہ اس تعلق مذکور کی ضد ہے اور اسی سے جوڑ سمجھ میں آ گیا ہوگا، ان دونوں امروں (۲) یعنی اصل چیز ہے تعلق مع اللہ جب یہ نہ ہوگا تو اس کی ضد یعنی غفلت (۳) ہوگی اور وہ اصل ہے جمیع امراض (۴) باطنہ کی پس تعلق مع اللہ کے احکام وآثار معلوم ہونے سے تمام امراض کی تحقیق ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ خود غفلت اور امراض میں بھی علاقہ اصل وفرع کا ہے یعنی ان دونوں میں سے ایک اصل ہے اور ایک فرع اصل کیا ہے؟ غفلت اور فرع کیا ہے باقی امراض یعنی غفلت ہی منشاء ہے جملہ امراض کا تو اور امراض سے پہلے اس کے علاج کی طرف توجہ ضروری ٹھہری اور معلوم ہے کہ علاج بالضد (۵) ہوا کرتا ہے اور غفلت کی ضد ہے یاد تو یاد کو اختیار کرنا چاہیے اور یاد سے مراد کسی لفظ کو زبان سے رٹنا نہیں ہے کیونکہ صرف لفظ زبان پر لانے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ دیکھو لڈو میٹھی چیز ہے لیکن لڈو لڈو زبان سے رٹنے سے کبھی منہ میٹھا نہیں ہوگا، خواہ ساری عمر اسی میں گزر جائے اسی کی نسبت کہا ہے:

میم وواؤ میم ونون تشریف نیست   لفظ مومن جز پے تعریف نیست

مومن کا لفظ زبان سے کہہ لینے سے آدمی مومن نہیں ہوجاتا جیسا کہ لڈو کا لفظ زبان سے کہنے سے منہ میٹھا نہیں ہوجاتا، منہ میٹھا جب ہی ہوگا جب بجائے لفظ اور اسم کے لڈو کا مسمی منہ میں آئے گا۔ معلوم ہوا کہ خالی الفاظ کافی نہیں اسی واسطے کہا ہے کہ میم وواؤ میم ونون کہنے سے مومن نہیں ہوتا اور فرماتے ہیں:

مست ولا یعقل نہ از جام ہو   اے زہو قانع شدہ برنام ہو

یعنی تو خدا کا نام صرف زبان سے لیتا ہے اور اس پر قناعت کیے ہوئے ہے

(۱) اللہ سے غفلت (۲) دونوں کاموں میں (۳) بے تعلقی (۴) باطنی تمام امراض کی اصل یہ بے تعلقی ہی ہے
(۵) سردی کا گرمی سے اور گرمی کا سردی سے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تو ابھی جام محبت سے سرشار نہیں ہوا ور نہ مست اور مدہوش ہوجاتا تونے صرف لفظ کورٹا ہے اس لیے جو حالت محبت والے کی ہوا کرتی ہے وہ نہیں پیدا ہوئی وہ نشہ اس لیے سوار نہ ہوا کہ تونے صرف نام سیکھا ہے اور کام نہیں کیا اور اس سے علاقہ نہیں پیدا کیا تجھ کو محبت والا اور عاشق اور اللہ والا کیسے کہا جائے اگر صرف الفاظ کافی ہوا کریں تو الفاظ کے درجہ میں تو شیخ چلی نے بھی شادی کرلی تھی اور بچے بھی ہوگئے اور وہ ایک منٹ میں غارت بھی ہوگئے اور نرے خیال کی دوسری مثال یہ سنو۔

نرا خیال کافی نہیں

ایک طالب علم سے ان کے دوست نے پوچھا آج کل کیا شغل ہے؟ کہنے لگے یہاں کی شہزادی سے نکاح کرنے کی فکر میں ہیں، ان دوست نے پوچھا پھر کیا ہوا؟ کہنے لگے آدھا سامان تو ہوگیا، آدھا نہیں ہوا، پوچھا کیسے؟ کہنے لگے کہ ہم تو راضی ہیں وہ راضی نہیں۔ مطلب یہ کہ نکاح کے دو جزو ہیں، ایجاب اور قبول ہم ایجاب کرنے کو تیار ہیں اس کے قبول کی دیر ہے۔ کیا اس خیال باندھ لینے سے شہزادی مل گئی، نری قال اور نرے(۱) خیال کی بس ایسی ہی مثال ہے، حاصل یہ ہے کہ نرا خیال کافی نہیں ہے ہاں یہ دوسری بات ہے کہ خیال بھی بے کار چیز نہیں اس سے یہ فائدہ ہے کہ اس کی مزاولت(۲) سے استحکام ہوجاتا ہے چنانچہ اول ہر کام کا خیال ہی پیدا ہوتا ہے پھر کام شروع ہوتا ہے پھر اس شروع کے بعد تکمیل ہوتی ہے پھر اس تکمیل پر نتیجہ اور غایت کا ترتب ہوجاتا ہے جیسے نکاح کہ اول دل میں خیال پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں، پیغام دیا جاتا ہے، طرفین سے رضامندی ہوجاتی ہے پھر ایجاب وقبول ہوجاتا ہے ، بس نکاح کا وجود ہوگیا، پھر خدا نے چاہا تو توالد وتناسل(۳) ہوتا ہے یا کاشتکاری ہے کہ اول خیال پیدا ہوتا ہے پھر زمین تلاش کی جاتی ہے پھر معاملہ طے کرلیا جاتا ہے اور کام شروع کردیا جاتا ہے پھر اس کی تکمیل پر پیداوار ہوجاتی ہے۔

---

(۱) صرف باتیں بنانے اور خیالات قائم کرنے سے کیا ہوتا ہے (۲) اس کے ملنے سے کام آسان ہوجاتا ہے (۳) بچے پیدا ہوتے ہیں۔

خیال خود مقصود بالذات نہیں

تو خیال بھی ایک درجہ میں مفید چیز ضرور ہے مگر اس کے مفید ہونے میں یہی شرط ہے کہ مقرون بالعمل(۱) ہوجاوے یعنی خیال وہی مفید ہے جس کے بعد کام بھی شروع کردیا جاوے۔ بلفظ دیگر خیال مقصود بالذات چیز نہیں بلکہ ذریعہ ہے مقصود کا اور ذریعہ اس وقت کارآمد ہوتا ہے جبکہ مقصود کے حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جائے۔ مثلاً سیڑھی کہ ذریعہ ہے چھت پر چڑھنے کا تو سیڑھی کا بنانا درست ہے اور ضروری ہے لیکن اسی شرط سے کہ چھت پر چڑھنے کے کام میں لائی جائے نہ یہ کہ سیڑھی بنا کر احتیاط سے گھر میں رکھ لی جائے۔ اور اس کو مقفل(۲) کردیا جائے اور کبھی اس کو استعمال نہ کیا جائے یا بہت سی سیڑھیاں بے ضرورت بنا بنا کر گھر میں رکھ لی جاویں۔

علی ہذا خیال بھی گو کارآمد چیز ہے مگر خود مقصود بالذات نہیں بلکہ ذریعہ ہے کام کا، تو اسی درجہ تک اس کو اختیار کرنا چاہیے جس درجہ تک کام کے وجود میں اس کو دخل ہے اور اس کا معیار یہ ہے کہ وہ مقرون بالعمل ہو، دیکھئے کاشتکاری کا خیال پیدا ہوتا ہے یہ مفید ہے لیکن اسی وقت جبکہ اس کے بعد کام شروع کردیا جائے، زمیندار سے کاغذ پٹہ لکھوایا جائے، بیج بہم پہنچایا جائے، بیل خریدے جائیں، پانی دینے کا انتظام کیا جائے تخم ریزی(۳) کی جائے، پھر جب کھیتی پیدا ہوجائے تو اس کی حفاظت کا سامان کیا جائے، اب امید ثمرہ(۴) کی ہوگی تو یہ خیال مفید ہوا مگر اسی وجہ سے کہ مقرون بالعمل ہوگیا اور اگر صرف خیال ہوتا یعنی اس کے بعد عمل نہ شروع ہوتا تو بیکار تھا، گو تمام عمر اسی میں گزر جاتی۔ غرض خیال کارآمد اسی وقت ہے کہ بعد اس کے عمل بھی ہو۔

یاد اور خیال میں فرق

اور یہ بھی یاد رہے کہ عمل جب ہوسکتا ہے جب علم ہو اور علم حاصل ہوسکتا ہے سیکھنے سے اور کسی کا اتباع کرنے سے تو حاصل یہ ہوا کہ خیال اس وقت مفید ہے کہ اس

(۱) کام کے متصل ہو (۲) تالا لگا کر رکھیں استعمال نہ کریں (۳) بیج بوئے جائیں (۴) تب نتیجہ حاصل ہونے کی امید ہوگی۔

کے ساتھ عمل اور اتباع کسی محقق کا ہو ہر خیال کی یہی حالت ہے۔ پس اسی طرح اللہ کا خیال بھی ہے کہ وہ جب مفید ہے کہ کام بھی شروع کر دیا جائے اور یہ نہ ہو تو نرے خیال سے مقصود حاصل نہیں ہوتا وہ مقصود کیا ہے تعلق مع اللہ جو صرف یاد سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ یاد اور خیال میں فرق ہے، خیال تو وہ ہے جو شیخ چلی نے باندھا تھا اور یاد وہ ہے جو دن رات آپ کے محاورات میں موجود ہے۔ آپ کے دوست کا خط آتا ہے کہ میاں تم نے تو ہم کو بھلا دیا کبھی ملتے نہیں، خط نہیں بھیجتے، کبھی ہم کو بلاتے نہیں، کیا آپ اس کے جواب میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے بھلایا نہیں ہر وقت تمہارا خیال دل میں رہتا ہے، اس جواب کو کوئی تسلیم نہیں کرے گا، بات کیا ہے؟ وہی کہ خیال کو یاد نہیں کہتے، خیال اور یاد میں فرق ہے، مجھے اس کی شرح کرنے کی اور فرق بتلانے کی ضرورت نہیں اس مثال سے بخوبی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ دونوں میں فرق ہے۔ ثابت ہوا کہ خدا کے اس خیال میں جس کو تصور کہتے ہیں اور اس میں جس کو یاد کہتے ہیں فرق ہے اور حکم کیا گیا ہے یاد کا۔ چنانچہ ارشاد ہے: اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا (۱) تو مجرد خیال (۲) سے کام نہ چلے گا بلکہ یاد کرنے کی ضرورت ہے اور چونکہ یاد میں دوام کی ضرورت ہے اس لیے یاد کرنے کی جگہ یاد رکھنے کا لفظ زیادہ موزوں ہوگا تو معنی یہ ہوئے کہ حق تعالیٰ کو یاد رکھو اور بہت یاد رکھو یعنی کسی وقت مت بھولو اور جس طرح دوست کے یاد رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ ہر کام میں اس کو یاد رکھو جس کی علامت یہ ہے کہ کوئی کام ان کے خلاف مرضی نہ کرو اسی طرح یاد حق کے معنی سمجھو اسی کو خیال مقرون (۳) بالعمل کہا جاتا ہے۔

غفلت کا علاج

دیکھو! اُذْكُرُوا اللّٰهَ کے بعد وَسَبِّحُوْا بھی ہے کیا معنی کہ صرف ذکر ہی پر کفایت نہ کرو، تسبیح بھی کرو، ظاہر ہے کہ تسبیح از جنس عمل ہے تو یہ معنی صاف طور سے نکل آئے کہ خیال مقرون بالعمل ہونا چاہیے تو خدا کا خیال وہی معتبر ہوا جس کے ساتھ عمل بھی

(۱) ’’یاد کرو اللہ کو بہت زیادہ‘‘ الاحزاب: ۴۱ (۲) صرف خیال کرنے سے (۳) اسی کو کام سے متصل خیال کہا جاتا ہے۔

ہو۔ جب یہ حالت ہے تو یہ بات کیسے مان لیں کہ خدا تعالیٰ کی یاد یا خیال ہمارے دل میں ہے جبکہ اس کے ساتھ عمل نہیں، ایسی یاد تو غفلت ہی میں داخل ہے اور یہی غفلت اصل ہے تمام معاصی (۱) کی جس کو میں نے اوپر بھی عرض کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں اسی غفلت کو ذکر فرمایا ہے کیونکہ مقصود علاج ہے اور اصل اور فرع میں سے علاج اصل ہی کا کرنا کافی ہوتا ہے جب اصل زائل ہو جاتی ہے تو جو مرض اس کی فرع ہیں وہ خود زائل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَجِیْبُ الدُّعَاءَ عَنْ قَلْبٍ لَاہٍ (۲) اس میں مذمت ہوئی، غفلت (۳) کی جس کا میں نے اب تک بیان کیا ہے اس لیے اس کے مزید بیان کی تو حاجت رہی نہیں اب صرف یہ سمجھنا رہ گیا کہ غفلت کے چند درجے ہیں، بڑا درجہ تو یہ ہے کہ عین حالت طاعت میں بھی غفلت ہو جیسی ہماری حالت ہے کہ اور اوقات میں تو غفلت ہے ہی عین طاعت کے وقت بھی غفلت ہی رہتی ہے سارا وقت غفلت ہی میں گزرتا ہے۔ مثلاً نماز پڑھ رہے ہیں اور یہ بھی خبر نہیں کہ ہم کس کے سامنے کھڑے ہیں۔ یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ رکوع سجدہ کیسے کیا کیا پڑھا اور کیا زبان سے دعا کی چونکہ عادت پڑ گئی ہے زبان سے الفاظ ادا ہو جانے کی اس وجہ سے قرأت اور تسبیح پوری ہو جاتی ہے ورنہ اول تو تو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ ہم کہاں ہیں ذرا سوچنے کی بات ہے کہ حاکم کا ادب تو یہ ہوتا ہے کہ حاکم اگر سامنے بھی نہ ہو تب بھی ادب کیا جائے چنانچہ حاکم کے مکان میں گھستے ہیں تو اس کی ہیبت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ہاتھ پیر کانپنے لگتے ہیں، قدم آگے کو نہیں بڑھتا حالانکہ حاکم اس وقت اس مکان میں نہیں ہے مگر یہ حالت ہوتی ہے کہ اس خالی مکان میں بھی اگر بیٹھتے ہیں تو چپکے چپکے بیٹھے رہتے ہیں، غل مچانے کی بلکہ بولنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی۔

ہیبتِ حضوری

یہ تو حاکم کی غیبت (۴) میں حالت ہوتی ہے اور جب حاکم سامنے ہوتا ہے تو اس وقت تو کچھ نہ پوچھو کیا حالت ہوتی ہے ہوش وحواس درست نہیں رہتے، بات منہ سے

(۱) گناہوں کی (۲) "یعنی حق تعالیٰ وہ دعا قبول نہیں فرماتے جو غافل دل سے نکلی ہو" مسند احمد: ۲/۱۷۷، الترغیب والترہیب: ۲/ ۴۱۹ (۳) غفلت کی برائی بیان کی گئی (۴) غیر موجودگی۔

نہیں نکلتی اگر حاکم ان سے بات کرنا چاہے تو جواب کے لیے زبان کام نہیں دیتی، جب ایک ذرا سے حاکم کا ادب اور ہیبت یہ ہے تو خدائے احکم الحاکمین کا کیا ادب ہونا چاہیے اور کیا ہیبت ہونی چاہیے، حاکم سے تو غیبت بھی ہوجاتی ہے، خدا تعالیٰ سے تو غیبت (۱) بھی نہیں ہوسکتی۔ اس کا مقتضا تو ضروری یہ ہونا چاہیے کہ ہر وقت آدمی ڈرتا کانپتا رہے، معصیت تو بہت دور ہے بولنا چالنا بھی بند ہوجانا چاہیے لیکن اگر ایسا ہوتا تو دنیا کے کام سب بند ہوجاتے، اس واسطے اس درجہ کی حضوری کا احساس کم کردیا گیا ہے اور ایسا پردہ ڈال دیا گیا ہے کہ باوجود یہ کہ ہم جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ حاضر وناظر (۲) ہیں اور ان سے کسی وقت غیبت (۳) نہیں ہوسکتی لیکن اس کے مقتضاء کے درجہ کا اثر نہیں ہوتا اور وہ ادب اور ہیبت ہم پر طاری نہیں ہوتی، خیر اگر ہر وقت اور اس درجہ تک بھی طاری نہ ہوتا ہم کسی وقت اور کسی درجہ میں تو اس کا احساس ہونا چاہیے۔ اگر ہیبت حضوری (۴) ہر وقت طاری نہیں ہوتی تو غفلت دوری (۵) بھی تو ہر وقت طاری نہیں ہونی چاہیے، کوئی وقت تو ایسا ہونا چاہیے جس وقت غفلت محض نہ ہو اور حضوری کے آثار پیدا ہوں۔

نماز میں خدا کے روبرو ہونے کا استحضار

ایسا وقت وہی تجویز کرلو جس وقت ارادہ کرکے حضوری میں کھڑے ہوتے ہو یعنی جس وقت طاعت میں مشغول ہوتے ہو اس وت تو حضوری میں گزارو، اس میں تو آثار حضوری کے پیدا کرلو، نماز پڑھنے، کھڑے ہوئے ہو تو آموختہ (۶) سا تو نہ پڑھو اس میں تو اتنا خیال کرلو کہ ہم کس سے بات کررہے ہیں، اگر کسی معمولی آدمی سے بھی بات کرتے ہو تو اس کی طرف منہ کرکے بات کرتے ہو اور اپنے الفاظ کو سمجھ کر زبان سے نکالتے ہو اور اس کے جواب کی طرف کان لگائے رہتے ہو اور جو وہ کہتا ہے اس کو سمجھ کر جواب دیتے ہو اور اگر اس مخاطب سے تم کو خاص محبت ہوتی ہے تو اس سے بات کرنے

(۱) پوشیدگی (۲) موجود بھی ہے اور دیکھ بھی رہا ہے (۳) اس سے کسی بھی وقت آدمی چھپ نہیں سکتا (۴) خدا کے سامنے حاضر ہونے کا خوف (۵) خدا سے دور ہونے کی غفلت و بے پروائی بھی نہ ہونی چاہئے (۶) رٹے رٹائے الفاظ نہ پڑھو۔

میں اور اس کا جواب سننے میں مزہ آتا ہے اور چاہتے ہو کہ بات کو جلدی نہ ختم کرے جب ایک اپنے ہم جنس کے ساتھ یہ برتاؤ ہے تو سوچ لو خدائے احکم الحاکمین اور سلطان المحبوبین کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہیے اور ان سے کس طرح بات کرنی چاہیے، کیا اس کا یہی طریقہ ہونا چاہیے کہ جب سامنے پہنچے منہ پھیر کر تو کھڑے ہوگئے اور آموختہ سا یاد کر کے لے گئے وہ سب ایک سانس میں پڑھ کر ختم کر دیا۔ یہ بھی پتہ نہ چلا کہ ہم نے کیا سنایا، آموختہ (۱) بھی صحیح پڑھا گیا یا نہیں پھر یہ انتظار ہے کہ کہیں جلدی ختم ہو اور بھاگیں میں پھر کہتا ہوں کہ کیا خدا سے بات کرنے کا یہی طریقہ ہونا چاہیے، ذرا انصاف کیجئے اور ذرا خدا سے ڈریئے، خدا سے غفلت کرنا یہی خدا کی طرف پشت کرنا ہے نماز اس طرح پڑھنا کہ دل کہیں ہے زبان سے الفاظ نکل رہے یہی خدا کی طرف پشت کرنا ہے کبھی تو دل میں یہ سوچنا چاہیے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔

غفلت کے درجات

غرض یہ غفلت کا بڑا درجہ ہے کہ طاعت کی حالت میں بھی غفلت ہو جس کو ہم بھی سمجھتے ہیں کہ حضوری کا وقت ہے حقیقت میں تو خدا تعالیٰ سے ہر وقت ہی حضوری ہے مگر خیر اور وقتوں کو چھوڑ کر اطاعت کے وقت تو غفلت نہ ہو۔ دوسرا درجہ غفلت کا یہ ہے کہ طاعت میں تو کچھ یاد ہو جاتی ہے مگر اور وقت میں نہیں ہوتی اس میں وہ لوگ بھی مبتلا ہیں جو ذاکرین کہلاتے ہیں ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح زبان کا ایک شغل ہے ایسے ہی قلب کا بھی ایک شغل ہے، یعنی زبان کا شغل ذکر لسانی ہے اور قلب کا شغل ذکر قلبی اور توجہ الی اللہ اور خدا کی یاد اور خدا کا خیال۔ سو اکثر ذاکرین زبان کو مشغول ذکر رکھتے ہیں لیکن دل کو مشغول نہیں رکھتے، قلب کی غفلت میں یہ ذاکرین بھی مبتلا ہیں اس لیے ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ جیسے ذکر لسانی ضروری چیز ہے ایسے ہی ذکر قلبی بھی ضروری چیز ہے یعنی ہر وقت قلب کو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھنا چاہیے۔ ضرورت کے وقت دوسری طرف

---

(۱) رٹے ہوئے الفاظ بھی صحیح پڑھے یا نہیں۔

خیال کر لینا جائز ہے۔ لیکن بلا ضرورت غیر کا خیال نہ لاویں یہ مشغلہ تو نہ رکھیں کہ ہر وقت دل غیر اللہ ہی کے خیال میں لگا رہتا ہے اس سے دل کو فارغ رکھنا چاہیے، ضرورت کے وقت اگر خیال کسی طرف ہٹ جاوے خیر، مگر اس کے رفع ہونے کے بعد تو فوراً پھر اسی طرف آ جائیں، اس ضرورت کے وقت دوسری طرف خیال کی اجازت دے دینے سے میں نے ساری دنیا کو سنبھال لیا اب کوئی یہ نہ سمجھے کہ مجھے ضروریات کا علم نہیں ہے۔ صاحبو! مجھے بھی آپ کی طرح ضروریات کا علم ہے چنانچہ دیکھئے اس کی کس قدر رعایت کر دی گئی ہے۔

تعلق مع اللہ اور تعلق مع الغیر میں فرق

حاصل یہ ہے کہ اصل چیز ذکر اللہ کو سمجھو غیر کا خیال اگر آوے تو بضرورت اور میں کہتا ہوں کہ اگر یہ عادت ہو جائے گی کہ غیر ضرورت کے وقت میں یعنی دنیا کے کاموں سے فراغت کے وقت میں خدا تعالیٰ کی یاد رکھو گے تو اس کا اثر ان شاء اللہ تعالیٰ یہ ہوگا کہ اس ضرورت کے وقت میں بھی یعنی دنیا کے کاموں میں مصروفیت کے وقت بھی خدا تعالیٰ کی یاد رہے گی اور یہ بات پیدا ہو جائے گی کہ ہر وقت اللہ ہی کی یاد دل میں بسی رہے گی غیر اگر دل میں آوے گا بھی تو اچٹتا اچٹتا جب ایک مکان میں کرایہ دار کو بسا دیا تو اب غیر آدمی اس مکان میں آتا ہے تو بطور مہمان کے آتا ہے مگر اب اس کا الٹا ہو رہا ہے کہ مکان پر تو غیر کا قبضہ ہو گیا ہے کرایہ دار اگر آنا چاہتا ہے تو اندر اپنا دخل نہیں کر سکتا، بطور دیکھنے والوں اور تماشائیوں کے آتا ہے کہ ایک نظر ڈالی اور لوٹ گیا اس لیے ضرورت ہے کہ غیر کے قبضہ سے مکان کو نکالو اور اس میں اللہ کو بسا لو تا کہ دوسرا آوے تو ادب سے مہمان داخل آوے۔ اور میری اس تقریر سے یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ غیر سے تعلق رکھنے کو مطلقاً منع نہیں کیا جاتا تعلق کی اجازت دی جاتی ہے مگر اتنا ہی تعلق جتنا مہمان سے ہوتا ہے یا جتنا تعلق ایک اجنبی سے ہوتا ہے۔ دیکھو ہمارے نوکر بھی گھر میں آتے ہیں مگر ادب سے آتے ہیں، مکان پر قبضہ کرنے نہیں آتے اور نہ ہم پر حکومت کرنے آتے ہیں، پس غیر اللہ کو دل میں لاؤ مگر اس طرح لاؤ، میں یہ نہیں کہتا کہ

غیر اللہ کو بالکل دل میں نہ لاؤ ضرورت سے لاؤ مگر اجنبیانہ اور عارضی طور پر۔

دل اللہ کے رہنے کی جگہ

اصل رہنے والا دل کے مکان کا اللہ تعالیٰ کو بنالو یہ فرق خوب یاد رکھنے کا ہے کہ اللہ میاں میں اور غیر میں اصلی اور عارضی کا فرق رکھو، اب دیکھئے میں نہ دنیا چھوڑاتا ہوں نہ کسی کام کو بند کراتا ہوں، کام سب کرو مگر اصلی کام اپنا خدا کی یاد سمجھو۔ دوسرا کام کیا اور اپنے اصلی کام میں لگ گئے اب ذرا غور کر کے دیکھ لیجئے کہ آپ کے دل کی کیا حالت ہے اللہ کی یاد میں اور غیر کی یاد میں جو فرق ہونا چاہیے آیا اس میں یہی فرق ہے یا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یاد بطور اصلی رہنے والے کے ہے اور غیر کی یاد بطور اجنبی آنے والے کے اگر یہ فرق نہیں ہے تو عنقریب ہی سر پکڑ کر رونا ایک وقت وہ آئے گا جس وقت حسرت ہوگی کہ ایک جلسہ کو بھی خدا کی یاد سے خالی کیوں چھوڑا تھا اس وقت اس کی تلافی کچھ بھی نہ ہوسکے گی اگر میں دنیا کو اور غیر کے خیال کو چھڑاتا تب تو آپ کے پاس عذر تھا اور اب کیا عذر ہے میں تو کسی ضروری کام کو منع ہی نہیں کرتا بس یہ کہتا ہوں اصلی اور عارضی کا فرق رکھو، اللہ کی یاد کو غالب رکھو اور غیر کی یاد کو مغلوب وہی مثال نوکروں والی یاد کرو، گھر کے کاموں کے لیے نوکروں کا گھر میں آنا ضروری ہے مگر ان کا گھر پر قابض ہوجانا ضروری نہیں، نوکر نوکر کی طرح آویں، گھر کے مالک بننے کو اور تم پر حکومت کرنے کو تو نہ آویں، یہ موٹی بات ہے اس مثال کو خوب یاد کرلو، مالک اور قابض دل کا اللہ میاں کو بناؤ اور غیر اللہ کو صرف نوکروں کی طرح آنے دو اور یہ بات اختیاری ہے واللہ ثم واللہ اختیاری ہے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم سے ایسا نہیں ہوسکتا، ہوسکتا ہے اور بہت آسانی سے ہوسکتا ہے ہم لوگ توجہ نہیں کرتے اور اس کو ضروری نہیں سمجھتے ورنہ بہت آسانی سے اس کا حاصل کرنا ممکن ہے کر کے دیکھو، اس کے بعد کہنا یہ کیا مشکل ہے کہ یاد سب کی رکھو مگر خدا کی یاد کو غالب کرلو، اگر اس کو بھی مشکل سمجھو تو ایک ڈنڈا سیڑھی کا اس سے نیچے اور ہے وہاں ہی تک چڑھ جاؤ اس سے بھی بام (۱) تک پہنچ جاؤ گے، وہ یہ کہ خدا کی یاد دل

(۱) دروازے تک۔

میں بسانے میں شاید یہ عذر ہو کہ خدا کو دیکھا نہیں ہے نہ بعینہ نہ بنظیرہ[۱] اور ایسی ہے بے دیکھی چیز کی یاد بار بار آنا یا دل میں جمانا مشکل ہے اور ایسی چیز کی یاد میں ابتداء مزا بھی نہیں آتا تو دل کیسے اس کا خوگر ہو۔

دل سے مانع خیالات نکالنے کا عمدہ علاج

سو میں اس عذر کا بھی جواب دیتا ہوں اور ایک مزے دار چیز کا جس کی نظیر کو تم نے دیکھا بھی ہے پتہ بتاتا ہوں اس کی ہی یاد کیا کرو وہ کیا ہے تمہارا گھر جنت جہاں سے تم دنیا میں آئے ہو اس کو یاد کرو اس کی یاد تو مزے دار ہے اور اس کی نعمتوں کے نظائر دیکھے ہوئے بھی ہیں، ان کا خیال جم بھی جائے گا تم اس کو ایک دفعہ بقصد واہتمام دل میں لاؤ گے تو دل اس کے مزے کی وجہ سے دس دفعہ اعادہ کا تقاضا کرے گا، لیجئے اس میں تو بہت سہولت ہوگئی اگر خدا کی یاد ویسے نہیں بستی ہے تو یوں چلو ابتداء اس سے کرو انتہا خدا کی یاد پھر ہو جائے گی۔ اس پر بھی شاید یوں کہا جائے کہ جنت بھی بہت دور ہے کیونکہ وہ آخرت ہے اور اس کا دور ہونا ظاہر ہے ذہن وہاں تک پہنچنے میں لنگڑاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تم کو دھوکہ ہوا کہ جنت ایک مکان کا نام ہے، دور نہیں البتہ اس کا ملنا کہ متعلق زمان کے ہے، ضرور دور ہے پس زمان آخرت بیشک دور ہوا خدا جانے کتنی صدیاں ابھی باقی ہیں مگر مکان آخرت دور نہیں، وہ مکان آسمان پر ہے اور یہ ثابت ہے کہ جنت موجود بالفعل ہے: وَفِي ٱلسَّمَآءِ رِزۡقُكُمۡ وَمَا تُوعَدُونَ [۲] کے عموم میں وہ بھی داخل ہیں تو اب اس کے سوچنے میں تو کچھ دشواری نہیں، یوں سوچا کرو کہ ہمارے سر کے اوپر آسمان میں جنت ایک جگہ ہے جو دنیا سے کہیں اچھی ہے، دنیا اس کے سامنے کوئی چیز نہیں، اس میں حوریں ہیں، محلات ہیں، اشجار[۳] ہیں، انہار[۴] ہیں، یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان کا تصور آیا پھر دل اس کو چھوڑنے ہی کا نہیں اور بار بار یاد کرے گا اور اس میں زیادہ سوچنا بھی نہیں پڑے گا کیونکہ سر کے اوپر موجود ہے بعید زمانی کا[۵]

(۱) نہ اس کی ذات کو دیکھا نہ اسکی مثال (۲) الذاریات: ۲۲ (۳) درخت (۴) نہریں (۵) زمانے کی دوری

سوچنا البتہ مشکل ہوتا ہے سو وہ آخرت کا زمانہ گرچہ وہ بھی بہت بعید نہیں ہے کیونکہ جو چیز آنے والی ہے وہ ضرور آجاوے گی۔ اس کا بعد قابل لحاظ نہیں ہوتا مگر خیر وہ بعید سہی تم ایسی چیز کو سوچو جو اس وقت بھی موجود ہے۔ صاحبو! دیکھئے کتنی آسانی ہوگئی جب خالی بیٹھو بجائے اس کے کہ اور فضول خیالات کے ساتھ دل کو مشغول رکھو یہ سوچا کرو کہ ہمارے اوپر ایک مکان ہے جس کا نام جنت ہے اس میں انگور ہیں، حوریں ہیں، نہریں ہیں، طرح طرح کی نعمتیں ہیں، اس خیال سے شوق پیدا ہوگا پھر یہ سوچو کہ ان چیزوں کے ملنے کا مدار اعمال پر ہے، اعمال ہوں گے تو یہ چیزیں ملیں گی اور نہیں تو حسرت ہی حسرت ہوگی اس سے ہمت پیدا ہوگی اور قلب اور اعضاء مستعد ہو جائیں گے اعمال کے لیے، جب اعمال ہوں گے تو خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے جنت کیوں نہ ملے گی دیکھو کیسا سہل راستہ ہوگیا کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ جنت کا تصور کیا جائے پھر دل یہ نہ کہے کہ اس باغ کو اپنا بناؤ اور اپنا بنانا موقوف ہے اعمال پر پھر اعمال کی برکت سے خدا کے ساتھ تعلق پیدا ہوگا۔ جب خدا سے تعلق پیدا ہوگیا اسی کا نام یاد خدا ہے، لیجئے جنت کی یاد کیا ہوئی تمام بھلائیوں کی جڑ ہوگئی اور دل سے مانع خیالات نکالنے کا عمدہ علاج ہوگیا۔

دل سے خیالات مٹانے کی عمدہ تدبیر

اس طرح سے کہ جب دل میں دنیا کی کوئی چیز آوے تو فوراً یہ سوچو کہ ہماری بی بی وہاں منتظر ہے کہ دیکھئے کب ملاقات ہوتی ہے سو مجھ کو ایسے کام کرنے چاہئیں جس سے یقیناً ملاقات ہو جائے یہ خیال ایسا ہے کہ دوسرے سب خیالوں کو فوراً دبا لے گا کیونکہ دنیا میں ایسا کوئی نہیں جس کو بی بی کا شوق نہ ہو اور وہ بی بی بھی کیسی جس کی صفت حدیث میں یہ آئی ہے کہ اگر اس کے دامن کا ایک کنارہ دنیا میں لٹکا دیں تو اس کی روشنی کے سامنے چاند، سورج ماند ہو جائیں، یہ تو ان کے کپڑے کی صفت ہے اور ان کے جسم کی یہ کیفیت آئی ہے کہ متعدد حلّوں اور گوشت پوست اور ہڈی کے اندر سے گودا نظر آئے گا اس کی نظیر کہیں بھی دنیا میں ہے یا ہو سکتی ہے؟ ایسی بی بی کا خیال ایسی چیز نہیں ہے کہ سرد

سے سرد آدمی کو بھی ایک دفعہ گرم نہ کر دے اور سست سے سست کو بھی اعمال کے لیے مستعد نہ بنا دے اس کے سامنے کوئی خیال دل میں نہیں رہ سکتا۔ لیجئے یہ آسان تدبیر ہے خیالات کے دل سے مٹانے کی اور لوگ ذکر اللہ کی تعلیم کرتے ہیں اور میں ذکر الزوجہ (۱) کی تعلیم کرتا ہوں مگر یہ کہے دیتا ہوں کہ اس کے بعد آگے بھی چلو، زوجہ ہی تک نہ رہ جاؤ اور میرے اس کے کہنے کی کہ آگے کو چلو چنداں ضرورت بھی نہیں کیونکہ یہ زوجہ اپنی طرف کھینچے گی اور اس کی طرف کھینچنے کا راستہ صرف اعمال ہیں، اعمال کے بغیر ہاتھ آنہیں سکتی تو جس کو اس کا شوق پیدا ہوگا اس کو اعمال کا شوق پہلے پیدا ہوگا، تو میں نے درحقیقت ذکر الزوجہ کی نہیں تعلیم کی بلکہ اس کی آڑ میں تمام اعمال کی اور تعلق مع اللہ کی تعلیم کی ہے۔

امر تحریص

اور یہ تعلیم میں اپنی طرف سے نہیں کر رہا ہوں بلکہ حق تعالیٰ یہی تعلیم دے رہے ہیں حور قصور اور نعیم جنت کا ذکر کر کے فرماتے ہیں: وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ (۲)

دیکھئے اس میں امر تحریص فرمادیا ہے، حوروں کی حرصا حرصی کا لیجئے ذکر زوجہ کی تعلیم کا قرآن سے ثبوت ہوگیا، پھر ان کے تصور کے ساتھ حق تعالیٰ کا تصور بھی پیدا ہوگا کہ ان نعمتوں کے دینے والے وہی ہیں پھر حق تعالیٰ کے اس تصور اور اعمال کی برکت سے یہ ہوگا کہ ان کا تصور مضمحل اور حق تعالیٰ کا تصور مستحکم ہوتا جائے گا، یہاں تک کہ وہی رہ جائے گا یہی مقصود ہے تو ذکر الزوجہ کی تعلیم ذکر اللہ حاصل کرنے کے لیے ہوئی، سائنس کی رو سے فلاسفی اس کی یہ ہے کہ آخرت کے تصور سے اعمال کی ہمت ہوگی اور اعمال سے قرب ہوتا ہے حق تعالیٰ کا اور اس پر حق تعالیٰ فضل فرماتے ہیں وہ فضل یہ ہوگا کہ وہ خود توفیق دیں گے اور آپ کے دل میں اپنی یاد پیدا کر دیں گے۔ خوب کہا ہے:

(۱) بیوی کی یاد (۲) ''یعنی یہ ایسی چیزیں ہیں کہ اس میں حرصا حرصی کریں، حرصا حرصی کرنے والے''

آب کم جو تشنگی آور بدست تا بجوشد آبت از بالاؤ پست

تشنگاں گر آب جویند از جہاں آب ہم جو ید بعالم تشنگاں(۱)

ادھر سے فضل پہلے ہوتا ہے تب کچھ ادھر سے ہوتا ہے۔

حق سبحانہ تعالیٰ کا غایت کرم

خود بخود آں شہ ابرار ببرمی آید نہ بزور نہ بزاری نہ بزرمی آید

یہ جو کچھ اپنے عمل آپ دیکھتے ہیں پہلے ادھر سے ارادہ دل میں پیدا کیا جاتا ہے اور توفیق ہوتی ہے پھر آپ کے ہاتھ سے ان کا ظہور ہو جاتا ہے اس ظہور سے آپ کا نام ان میں لگ جاتا ہے اور آپ مستحق ثمرات کے ہو جاتے ہیں اس کی حقیقت سوائے اس کے نہیں کہ ان کو خود ہی کرم فرمانا اور کچھ دینا مقصود ہوتا ہے۔ یہ غایت کرم ہے کہ آپ کی سعی کی نفی کر کے احسان بھی رکھنا نہیں چاہتے اور جو کچھ دیتے ہیں آپ کے کسب کا نام لگا کر دیتے ہیں پس عمل کے اسی درجہ کے اعتبار سے یہ حکم کیا گیا ہے کہ آخرت کے تصور سے اعمال کی ہمت ہوگی پھر حق تعالیٰ کا فضل متوجہ ہوگا اور وہ اپنا مقرب بنالیں گے، یہ فلاسفی ہوئی ذکر آخرت کے نفع کی اور اس کی ضرورت تھی جس کی میں نے ہندی کی چندی کر دی۔

جو اس پر بھی وہ نہ سمجھے تو اس بت کو خدا سمجھے

مطلب یہ ہے کہ ہر وقت کا فضول دھندا ادھر ادھر کا چھوڑ و صرف ضرورت کے وقت کام میں اور کام کی ضرورت سے اس کے خیال میں لگ جایا کرو پھر جب وہ کام ہو جائے تو اس دھندے کو الگ کرو، آخر مومن کو حق تعالیٰ کے ساتھ عشق کا دعویٰ ہے اور عشق کی خاصیت سب کو معلوم ہے کہ عاشق کا غیر کی طرف التفات کرنا محبوب کو کس قدر ناگوار ہوتا ہے۔

آج کل کی عاشقی

ایک قصہ اختتام مثنوی میں ہے کہ ایک عورت جارہی تھی ایک شخص اس کے

(۱) ”پیاسے تو پانی کو ڈھونڈتے ہی ہیں، پانی بھی پیاسوں کو ڈھونڈتا ہے بلکہ واقع یہ ہوا ہے کہ پیاسوں کی تلاش کے لیے پانی پہلے آیا ہے۔ چنانچہ آپ کی پیاس کے پیدا ہونے سے پہلے پانی پیدا ہوا ہے“۔

پیچھے ہولیا، اس نے مڑکر دیکھا پوچھا کہ میرے پیچھے کیوں آتا ہے اس نے کہا کہ میں تیرے اوپر عاشق ہوگیا ہوں، اس نے کہا بیوقوف میرے اوپر کیا عاشق ہوتا ہے پیچھے میری بہن آرہی ہے وہ مجھ سے کہیں زیادہ خوبصورت ہے، عاشق ہونا ہے تو اس پر عاشق ہو اس شخص نے پیچھے کی طرف دیکھا کہ وہ اس کی بہن کہاں آرہی ہے آج کل عاشقی ایسی ہی ہے یہ عاشق نہیں فاسق ہیں۔

وفاداری مدار از بلبلاں چشم   کہ ہر دم بر گلے دیگر سرایند(۱)

جوں ہی اس نے مڑکر دیکھا کہ عورت نے اس کے سر پر ایک دھول(۲) رسید کی اور کہا:

گفت اے ابلہ اگر تو عاشقی   در بیان دعویٰ خود صادقی

پس چرابر غیر افگندی نظر   این بود دعوائے عشق اے بے ہنر(۳)

جب ایک عورت کو غیر کی طرف التفات کرنے سے اتنی غیرت آتی ہے تو خدائے تعالیٰ کو کتنی غیرت آوے گی دل تو حق تعالیٰ کا محل ہے اس میں وہ یہ نہیں پسند کرتا کہ غیروں کو بسا ہوا دیکھے۔

صاحبو! دل میں کسی کو بساؤ نہیں اگر اجنبی کی طرح آجاوے تو مضائقہ نہیں، اجنبی کسی مکان میں ہر وقت نہیں آیا کرتا ضرورت کے وقت آتا ہے اور اجازت لے کر آتا ہے اس کا قبضہ مکان پر نہیں ہوتا، بس یہی برتاؤ کرو ذکر اللہ اور غیر ذکر اللہ کے ساتھ، بتایئے اس میں کیا دقت ہے میں مکرر کہتا ہوں کہ آخر اس تعلیم میں کون سی دشواری ہے ہاں ایک وجہ بیشک ہے دشوار ہونے کی وہ یہ کہ ہمارا خاصہ ہے کہ ہم پر وہ کام آسان ہوتا ہے جس کی غیروں کو بھی خبر ہے، دکھلانا اور سنانا ہمارے کام میں گویا خمیر رہتا ہے، ذکر اللہ بھی اگر آسان ہوتا ہے تو اسی صورت سے کہ الا اللہ الا اللہ پکار کر کہہ رہے زور زور سے ضربیں لگا رہے ہیں، سارے محلے کو خبر ہورہی ہے، غرض ذکر بالجہر(۴) میں دشواری

(۱) ''بلبلوں کی آنکھ سے وفاداری کی امید مت رکھ کہ ہر گھڑی ایک پھول کو چھوڑ کر دوسرے پھول کو چاہنے لگتی ہیں'' (۲) ایک جوتا مارا (۳) ''اس نے کہا اے بیوقوف اگر تو عاشق تھا اور اپنے اس دعوے عشق میں سچا تھا تو پھر غیر پر کس لیے نظر ڈالی، اے بے خبر کیا تیرا دعویٰ عشق یہی تھا؟'' (۴) بلند آواز سے ذکر کرنا مشکل نہی ہے۔

نہیں ہوتی، ذکر خفی میں دشواری(۱) ہوتی ہے۔ وجہ کیا ہے کہ جہر کو دوسرے سنتے ہیں اور خفی کو کوئی سنتا نہیں اسی طرح وضع قطع صورت شکل صلحاء کی سی بنالی ہے، نیچا کرتا ہے پائجامہ اونچا کرلیا ہے، یہ سب آسان ہے کسی میں دشواری نہیں، دشواری ہے تو اندر کی اصلاح میں ہے کیونکہ اندر کی کسی کو خبر نہیں کہ گوہ بھرا ہے یا کیا کیونکہ اندر کو دوسرا شخص دیکھتا نہیں اندر کچھ ہی رکھیں مثلاً عورتیں جمع رکھیں یا رشوت اور سود(۲) بھرا رکھیں تو کسی کو کیا خبر ان سے اگر دل پاک کریں تو اس میں مشقت تو بہت اور محنت کی خبر کسی کو ہوگی نہیں تو نفس کہتا ہے کہ سسرے اتنی محنت بھی کی اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں تو ناحق گھٹ کر مرے، بس یہ عمل اس وجہ سے دشوار ہوجاتا ہے اور اگر یہ بھی کسی طرح سے دکھا کر کیا جاسکتا ہے تو اس میں بھی ذرا دشواری نہ رہتی، یہ ہماری اسی خاصیت کا اثر ہے کہ ہم کو وہی کام آسان ہوتا ہے جس کی لوگوں کو خبر ہو اور جس کی لوگوں کو خبر نہ ہو وہ دشوار ہوتا ہے۔

پابندی اعمال میں حکمت

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارا جو عمل بھی ہے وہ سب مخلوق کے دکھلانے کو ہے، جتنا ظاہر ہم نے بنا رکھا ہے اور جو کچھ ضربیں لگاتے ہیں اور جو کچھ وضع قطع درست کر رکھی ہے وہ سب لوگوں کے دکھلانے کے لیے ہے اور یہ بہت خطرناک بات ہے، باطن کے عمل تو کرتے نہیں اس واسطے ان سے محروم رہے اور ظاہر کے کچھ عمل کرتے ہیں مگر وہ اس واسطے ضائع کہ ان میں للّٰہیت نہیں وہ دوسروں کے لیے ہیں لہٰذا اعمال سے مطلقاً خالی رہے اور مزید برآں دکھلاوے کا گناہ سر پر رہا یہ حالت تو بعض وجوہ سے اس سے بھی زیادہ بری ہوئی کہ ظاہر کے اعمال بھی نہ کرتے اس صورت میں یہی ہوتا کہ اعمال سے محروم رہتے، گناہ تو سر نہ ہوتا اب تو محرومی بھی ہے اور گناہ بھی سر رہا گو ریاء کے ساتھ بھی اعمال کی پابندی میں یہ مصلحت ضرور ہے کہ اس سے اعمال کی عادت ہوجاتی ہے پھر عادت کے بعد ریا رخصت ہوجاتی ہے اور اس لیے محققین اعمال ریائیہ(۳) کے

(۱) آہستہ ذکر کرنا مشکل ہے (۲) دل میں عورتوں کا خیال ہو رشوت یا سود کا خیال ہو کسی کو کیا پتہ (۳) دکھلاوے کے لیے جو عمل کیا جائے اس کو بھی ترک کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔

ترک کی بھی اجازت نہیں دیتے لیکن تاہم ریاء کے مذموم ہونے کا تو انکار نہیں کیا جاسکتا جس کی اس مقام پر شکایت کی جارہی ہے اور اگر کوئی خدا کا بندہ اعمال ظاہری میں ریاء سے پاک ہے اور اللہ ہی کے واسطے اعمال کررہا ہے تو اس سے یہ سوال پھر بہت سہل ہے کہ اگر اعمال ظاہری کو اللہ کے واسطے کیا ہے تو اعمال باطنی میں کون چیز اس سے مانع ہے (۱) بلکہ اللہ کے واسطے کا تو وہاں مفہوم بطریق احسن (۲) ثابت ہے کہ اس میں مخلوق کی نمائش کا احتمال ہی نہیں پھر وہ تم کو کیوں دشوار ہوتے ہیں جب اعمال باطنی دشوار ہوتے ہیں اور اعمال ظاہری دشوار نہیں ہوتے تو اس سے تو صاف شبہ ہوتا ہے کہ اللہ کے واسطے کا دعویٰ غلط ہے بس جو کچھ ہے مخلوق کے دکھلانے کے لیے ہے۔

نفس کا ایک دھوکہ

یہاں نفس ایک اور دھوکہ دیتا ہے اور ریاء میں ایک مصلحت بیان کرتا ہے وہ یہ کہ یوں تو اعمال میں بہت مشقت ہے اس کے سہل کرنے کے لیے ضرورت ہے بشاشت (۳) کی اور کسی کے سامنے ظاہر ہوجانے سے بشاشت (۴) ہوجاتی ہے اور عمل صادر ہوجاتا ہے اور اس سے دل نہیں اکتاتا اور اس لیے اس پر مداومت (۵) بھی ہوجاتی ہے۔ اس دھوکہ کا جواب یہ ہے کہ یہ مصلحت اس میں بیشک ہے مگر اس کی جڑ تو دیکھو کس قدر ناپاک ہے یوں مصلحت سے تو کوئی کام بھی خالی نہیں چوری میں بہت سی مصلحتیں ہیں کتنے آدمیوں کی روزی اس کی بدولت چلتی ہے لوہار تالے کیوں بناوے اگر چور نہ ہوں چوکیدار کس بات کی تنخواہ پائے اگر چور نہ ہوں پس اگر مصلحت مطلق پر نظر کی جاوے تو کوئی کام بھی محل منع نہیں ہوسکتا، مصلحت سے اول نظر اصل مبنیٰ (۶) اور منشاء پر کرنا چاہیے، سو یہاں منشاء عمل کا اس قدر برا ہے کہ اس کو شرک خفی فرمایا گیا ہے اور وارد ہوا ہے کہ جب یہ ذکر و طاعت جو مخلوق کے دکھلانے کے لیے کیا جاتا ہے قیامت کے دن پیش ہوگا تو کہہ دیا جاوے گا انہیں سے انعام لو جن کے دکھلانے اور خوش کرنے کے لیے کیا تھا۔

---

(۱) رکاوٹ (۲) اس سے بھی بہتر انداز میں (۳) دل کی خوشی (۴) دل خوش ہوتا ہے (۵) ہمیشگی (۶) سب سے پہلے یہ دیکھے کہ اس کام مقصد کیا ہے۔

ریاء کا انجام بد

دوسری حدیث میں اور مفصل آیا ہے کہ قیامت کے دن سب سے اول ایک شہید کو بلایا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ تم نے ہماری نعمتوں کا حق ادا کیا؟ عرض کرے گا کہ میں نے جان ومال سب آپ کے نام پر فدا کیا، یہاں تک کہ جہاد کیا اور مارا گیا۔ جواب ملے گا کہ تو نے جان ہمارے واسطے نہیں دی، قتل وقتال جو کچھ کیا تھا وہ صرف اس واسطے کیا تھا کہ لوگ کہیں بڑا بہادر ہے، لوگوں کو سنانے اور شہرت کے لیے یہ کام کیا تھا، فقدقیل (۱) یہ شہرت ہوگئی اور جو مقصود تھا یعنی نام وہ دنیا میں حاصل ہو چکا، اب ہم سے کیا چاہتے ہو، حدیث میں ہے ''فیومر بہ فلیسحب علی وجھہ فیلقی فی النار ''(۲)

ایک مولانا بھی پیشی میں تشریف لائیں گے، پوچھا جائے گا کہ آپ نے کیا کیا؟ عرض کریں گے میں نے ساری عمر آپ کی راہ میں صرف کی، پڑھا اور پڑھایا، دنیا کے لذات چھوڑ کر یہی کام کیا، جواب ملے گا یہ کام ہمارے واسطے نہیں کیا، اس واسطے کیا تھا کہ کہا جاوے کہ فلانا بڑا قاری یعنی عالم ہے بڑا مولوی ہے۔ سو یہ غرض حاصل ہو چکی دنیا میں شہرت ہوگئی، اب ہم سے کیا چاہتے ہو۔ ''فیومر بہ الخ''(۳)

ایک سخی صاحب تشریف لائیں گے ان سے پوچھا جائے گا آپ نے ہمارے واسطے کیا کیا؟ کہیں گے میں نے اپنا تمام مال آپ کی راہ میں خرچ کیا، جواب ملے گا جھوٹا ہے، ہمارے واسطے نہیں خرچ کیا بلکہ اس واسطے خرچ کیا کہ کہا جائے کہ فلانا بڑا سخی ہے فقدقیل یہ کہا جا چکا شہرت ہو چکی تمہاری غرض حاصل ہو چکی اب ہم سے کیا چاہتے ہو۔ ''فیومر بہ الخ''(۴) یہ کیسے کیسے اعمال صالحہ ہیں مگر جزا کیا ملی جہنم، یہ گت ہے دکھلاوے کی اسی واسطے کہا گیا ہے:

کلید در دوزخ است آں نماز　　　که در چشم مردم گزاری دراز(۵)

(۱)''پس تحقیق کہا گیا'' (۲)''بس حکم ہوگا کہ لیجاؤ اس کو دوزخ میں ڈال دو یہ شہادت کی جزا ملی'' المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۲/ ۱۸۲، حلیۃ الاولیاء: ۳/ ۹۱ (۳)''پس حکم ہوگا کہ اس کو لے جاؤ اور دوزخ میں ڈال دو'' (۴)''پس حکم ہوگا کہ اس کو لے جاؤ اور دوزخ میں ڈال دو'' (۵)''جو نماز کہ لوگوں کے دکھلانے کو لمبی اور طویل کر کے پڑھی جائے وہ دوزخ کی کنجی ہے''۔

نماز افضل الاعمال ہے اور اس پر جو کچھ اجر وثواب موعود(۱) ہیں سب جانتے ہیں مگر وہ بھی کلید دوزخ(۲) بن جاتی ہے جبکہ اس میں قصد غیر اللہ کے خوش کرنے کا ہو۔

پرسکون زندگی

اس سے صاف طور پر ثابت ہوگیا کہ ہر فعل میں اس کے منشاء اور مبنی پر نظر کرنا چاہیے تو ذکر کے اظہار میں گو یہ مصلحت ہو کہ اس سے دل کو ابھار ہوتا ہے اور بلا اس کے ذکر افسردگی کے ساتھ اور مردہ دل سے ہوتا ہے لیکن جب اصل منشاء اس کا ریاء ہوا اور غیر اللہ کو مقصود بنانا تو اس عارضی مصلحت پر حکم نہیں ہوسکتا، اصل ہی کا حکم رہے گا اور بجائے ثواب کے ریاء کا گناہ ہوگا۔ اسی طرح اپنے تمام افعال میں غور کرتے رہا کیجئے کیونکہ نفس کے بہت سے کید ایسے ہیں کہ وہ ایک عمل کو اچھی صورت میں دکھلاتا ہے اور حقیقت اس کی نہایت بری ہوتی ہے یہ اس دھوکہ کا جواب ہوگیا اور ریاء کا مذموم ہونا(۳) بحالہ رہا، غرض اپنے اس خاصہ کو تبدیل کیجئے کہ آپ پر وہ کام آسان ہوتا ہے جس کی دوسرے کو خبر ہو اور جس کی دوسرے کو خبر نہ ہو وہ دشوار ہوتا ہے اور چونکہ ظاہر کی خبر دوسرے کو ہوتی ہے اس کی درستی آسان ہوتی ہے اور دل سے غیر اللہ کو خالی کرنا کسی کو معلوم نہیں ہوتا اس لیے وہ مشکل ہوتا ہے جب اس خاصہ میں کچھ تبدیلی کرلوگے اور یہ عادت چھوٹ جائے گی تو اس وقت اس تعلیم پر عمل کرنے میں کہ کام کے وقت اس میں مصروف ہوگئے اور اس کو ختم کرکے پھر قلب کو فارغ کرلینا کچھ بھی دشواری نہ رہے گی بلکہ اس وقت قدر معلوم ہوگی کہ اس میں کس قدر راحت ہے کہ کام کے وقت کام کیا، پھر دل کو فارغ کرلیا اور سکون اور چین اور اطمینان اور فراغ کے ساتھ بیٹھے رہے اور اپنے اصلی شغل یعنی ذکر اللہ میں لگے رہے اس میں یہ بھی فائدہ ہوگا کہ بہت سے اشغال جو کہ پریشانی کی اصل ہے بچے رہے، صرف ایک شغل رہ گیا اور ایک شغل میں لگنا طبعاً اطمینان کا باعث ہے، دوسرے ذکر اللہ خود اطمینان پیدا کرنے والی چیز ہے۔ **أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ**(۴) اب فرمایئے اطمینان کی زندگی اچھی ہوتی ہے یا پریشانی کی۔

(۱) اجر وثواب کا وعدہ ہے (۲) دوزخ کی چابی بن گئی (۳) ریاء کا برا ہونا اپنی جگہ برقرار رہا (۴) ”خبردار دلوں کو اطمینان صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر سے حاصل ہوتا ہے“ الرعد:۲۸۔

ذاکرین کے ایک مغالطہ کا جواب

یہاں ایک اور مغالطہ کا بیان کر دینا بھی ضروری ہے جس میں عوام وخواص سب ہی مبتلا ہوجاتے ہیں وہ یہ کہ جب غیراللہ کی طرف التفات سے عمل خراب ہوجاتا ہے اور یہ داخل ریاء ہے اور بظاہر اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً ذکر خفی کرنا دشوار ہو اور ذکر بالجہر دشوار نہ ہو تو یہ بات تو سب ذاکرین کو پیش آتی ہے کہ ذکر بالجہر میں لطف زیادہ آتا ہے اور دل نہیں اکتاتا اور ذکر خفی سے جلد دل اکتا جاتا ہے اور اس میں ایسا لطف نہیں آتا جیسا ذکر بالجہر میں آتا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دکھلاوے کا خیال موجود ہے اگر ایسا ہے تو اس کا تو سب پر برا اثر ہوگا کیونکہ ذاکرین تو اس کو ریاء سمجھ کر تنگی میں پڑ جائیں گے اور گو وہ ذکر کرتے رہیں گے مگر دل خوش نہیں ہوگا اور بشاشت نہیں پیدا ہوگی اور ریاء جیسے گناہ کا ڈر سر پر سوار رہے گا جس سے ہمت ان کی ٹوٹ جائے گی۔

یہ اثر تو سالکین پر ہوگا اور عوام پر یہ اثر ہوگا کہ ان کو بہانہ مل جاوے گا شرارت کا اور عمل کے چھوڑ دینے کا، یوں کہیں گے کہ ہمارا عمل ریاء سے خالی ہو نہیں سکتا اور ریاء کے ساتھ عمل بیکار ہے اور مقبول نہیں تو عمل سے فائدہ کیا، پھر کیوں مشقت میں پڑے چلو سہل چھوٹے آرام کرو کہاں کا جھگڑا۔

بشاشت کی دو قسمیں

سو سمجھ لیجئے کہ یہ مغالطہ ہے اور ایسے شبہات غلط فہمی سے پیدا ہوتے ہیں اس کو میں کھول کر بیان کرتا ہوں ذاکرین کے بہت کام کی بات ہے اور علمی قواعد پر منطبق ہے۔ سمجھ لیجئے کہ بشاشت ایک طبعی ہے ایک عقلی تو اظہار عمل سے طبعی بشاشت کا ہونا کہ غیر اختیاری ہے ریاء نہیں بلکہ عقلی بشاشت کہ اختیاری ہے ریاء ہے اب سمجھو کہ ذکر جہر میں ایک خاصیت ذاتی ہے کہ اس میں بہ نسبت ذکر خفی کے زیادہ لذت ہے جیسے قلاقند میں گڑ سے زیادہ لذت ہے اور اس کا طبعی احساس ہونا کچھ مضر نہیں ہاں اس سے عقلی بشاشت اس لیے کہ دوسروں کو ہمارے عمل کی خبر ہو رہی ہے اور وہ ہم کو بزرگ سمجھیں گے

یہ مضر ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ریاء بیشک گناہ ہے مگر گناہ ہمیشہ فعل اختیاری سے ہوتا ہے ورنہ اس کے قائل ہوں کہ کوئی گناہ ایسا بھی ہے جو اختیاری نہیں یعنی اس سے بچنا اختیار اور قدرت سے خارج ہے تو تکلیف مالا یطاق لازم آئے گی جس کی نفی آیت میں صراحتاً موجود ہے۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (۱) غرض یہ مسئلہ عقائد کا ہے کہ تکلیف مالا (۲) یطاق شریعت میں نہیں ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ریاء سے بچنا خارج عن الوسع (۳) نہیں ہے۔

وسوسۂ ریاء

تو یہ خیال تو غلط ہوا کہ کوئی عمل بدون ریاء کے نہیں ہوسکتا باقی جو خیال ذاکرین کو پیش آتا ہے اور ان کو پریشان کرتا ہے وہ حقیقت میں ریاء نہیں بلکہ ریاء کا وسوسہ ہے اور گناہ ریاء ہے نہ کہ ریاء کا وسوسہ یعنی قصداً ریاء (۴) کرنا گناہ ہے نہ کہ ریاء کا بلاقصد آجانا۔ جب قصد حق تعالیٰ کی رضا کا ہے اور خیال ریاء کا آگیا تو کچھ پروا نہیں کرنا چاہیے اور مطلق پریشان نہ ہونا چاہیے اس سے کسی قسم کا نقصان عمل میں نہیں آتا بلکہ اس کشاکشی میں اجر بڑھتا ہے کہ شیطان چاہتا ہے کہ اس قسم کے خیالات اور وسوسے دل میں ڈال کر آدمی کو عمل سے روک دے مگر جب آدمی نہیں رکتا اور اس کشاکشی میں بھی کام کیے جاتا ہے تو اس کو ایک ثواب تو عمل کا ہوتا ہے اور ایک اس مجاہدے کا تو ذاکر کو اور خوش ہونا چاہیے کہ اتنی ہی دیر عمل کرنے میں ثواب دہرا ہو گیا، شیطان کوئی کسر انسان کے نقصان پہنچانے میں نہیں کرتا ہے لیکن اس سے بھی غلطی ہوتی ہے بسا اوقات وہ ایک کام کرتا ہے۔ نقصان پہنچانے کے لیے اور ہو جاتا ہے اس سے نفع۔

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد (۵)

مسلمان کے لیے ہر حالت خیر ہے

اس لیے سالک کو کسی حال میں بددل (۶) نہیں ہونا چاہیے بس خدائے تعالیٰ

(۱) ''اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے'' البقرہ: ۲۸۶ (۲) جو کام انسان کر سکتا ہو اس کا حکم دینا لازم آتا ہے (۳) انسان کی قدرت سے باہر نہیں (۴) جان بوجھ کر دکھاوے کا ارادہ کرنا گناہ ہے (۵) ''اگر اللہ چاہے تو دشمن بھی بھلائی کا سبب ہو جاتا ہے'' (۶) دل برداشتہ۔

پر نظر رکھنا چاہیے اس کو شیطان سے بھی نفع ہی پہنچتا ہے۔ دیکھئے شیطان کے اس نقصان پہنچانے کے قصد سے یوں نفع پہنچا کہ اجر بڑھ گیا، مسلمان کے لیے تو ہر حالت خیر ہی ہے جیسے کسی پرانے ہندو نے کہا تھا کہ مسلمان بھی عجیب آدمی ہیں گھٹ (۱) جائیں تو فقیر، مطلب یہ ہے کہ جب ان کے پاس کچھ نہیں رہتا تو فقیر بن جاتے ہیں اس میں بھی دو حالتیں ہوتی ہیں اگر خاموشی اختیار کرلی تو چپ شاہ ہوگئے اور جو واہی تباہی بکنا شروع کردیا تو کہا جاتا ہے کہ یہ رموز ہیں حضرت کے سوا دوسرا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ غرض گھٹ جائیں تو فقیر بڑھ جائیں تو امیر اور مرجائیں تو پیر یعنی لگے قبر پر چڑھاوے چڑھنے غرض ہر حال میں اونچے ہی۔ مسلمان کی یہ واقعی حالت ہے اگر فہم ہو تو اس کو کسی چیز سے نقصان نہیں پہنچتا اور مقصود سے اسے کوئی نہیں ہٹا سکتا یہ فہم کی غلطی ہوتی ہے کہ شیطان سے ڈر کر اس کے پیچھے ہو لیتا ہے اور خسارہ میں پڑ جاتا ہے۔

وسوسۂ ریاء ریاء نہیں

چنانچہ ذاکر کو بھی جب شیطان ذکر سے روکتا ہے تو محض وسوسہ سے اس کو پریشان کرتا ہے اور اس کو اتنی قدرت نہیں کہ کسی کو پکڑ کر عمل سے روک دے پس وہ اگر ذاکر نادان ہے تو اس کو اس طرح نقصان پہنچ جاتا ہے کہ شیطان نے اس وسوسہ سے اس کو ڈرایا اور وہ دفع وسوسہ کے لیے اس کے مقابلہ کو کھڑا ہوگیا اور وسوسہ سے ڈر کر اس کے پیچھے ہولیا، پھر جتنی دیر اس کے پیچھے چلتا رہا اتنی دیر ذکر سے رہ گیا (۲) اس طرح شیطان کا کام بن گیا اور اس کی غرض حاصل ہوگئی کہ ذاکر کو اتنی دیر کے لیے ذکر سے روک دیا تو اے ذاکرین ہوشیار رہو اور خوب سمجھ لو کہ یہ بھی شیطان کا مکر ہے اور گہرا مکر ہے کہ تم کو وسوسہ سے ڈرا کر اپنا کام بنالیتا ہے اس سے ہرگز مت ڈرو اور یاد رکھو کہ ذکر کرنے میں اگر ریاء کا وسوسہ آئے تو اس کی کچھ پروا مت کرو یہ وسوسہ ریاء کا ہے ریاء نہیں ہے اسی طرح اس کا محل قعر قلب (۳) نہیں حوالی قلب ہے اور قلب میں جو متوہم

(۱) جب ان کے پاس کچھ نہ رہے (۲) ذکر نہ کرسکا (۳) دل کی گہرائی نہیں بلکہ دل کے ارد گرد ہے معلوم دل میں ہوتا ہے۔

ہوتا ہے تو وہ اس کا عکس ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے آئینہ کے اوپر کوئی مکھی بیٹھی ہو تو ایک مکھی آئینہ کے اندر بھی نظر آئے گی مگر وہ مکھی آئینہ کے اندر نہیں ہے بلکہ خلاف واقع ایک چیز نظر آتی ہے اس کو دیکھ کر وہ شخص جو آئینہ کی خاصیت کو نہیں جانتا یہ سمجھتا ہے کہ آئینہ کے اندر مکھی ہے۔ چنانچہ بچوں کے سامنے جب آئینہ لاتے ہیں تو وہ اس کے اندر اپنا عکس دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ اس کے اندر ہمارا بھائی بیٹھا ہے اور خوش ہوتے ہیں اور اس کو پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہیں وجہ اس کی یہی ہے کہ ان کو آئینہ کی اس خاصیت کی خبر نہیں کہ اس کے اندر باہر کی چیز کا عکس نظر آیا کرتا ہے جس کا وجود واقع میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اور سمجھدار آدمی جو اس آئینہ کی خاصیت کو جانتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس کے اندر کچھ بھی نہیں ہے۔

تو اے سالکین! تم بچے مت بنو، سمجھ لو کہ اس ریاء کا کچھ وجود نہیں ہے، شیطان باہر سے عکس ڈال کر تم کو ڈراتا ہے اور چاہتا ہے کہ تم کچھ دیر کو اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے لڑنے میں اور دفع کرنے میں مشغول ہو جاؤ اور اتنی دیر ذکر سے رہ جاؤ، یہ ایسا ہے جیسے ایک بچہ کے سامنے کوئی ڈراؤنی صورت آئینہ میں دکھائی جائے کہ وہ اس کو دفع کرنے میں اور اس سے لڑنے میں مصروف ہو جاتا ہے کبھی آئینہ کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے کبھی آئینہ کے پیچھے ہاتھ لے جاتا ہے مگر ہاتھ اس کے کچھ بھی نہیں آتا۔

اضاعت وقت سے بچنے کا طریقہ

اس اضاعت (۱) وقت سے بچنے کا طریقہ اگر ہے تو یہی ہے کہ کسی طرح اس کو سمجھا دیا جائے کہ یہ صورت جو آئینہ میں نظر آ رہی ہے اس کا کچھ وجود نہیں اور یہ تجھ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی اگر یہ بات اس کے ذہن میں آ گئی تو اب وہ ہر طرح مطمئن ہو جائے گا۔ اسی طرح یہ ریاء کی ڈراؤنی صورت جو تم کو نظر آتی ہے سمجھ لو کہ اس کا کوئی وجود نہیں اور اس سے ذرا مت ڈرو یہ تمہارا کچھ نہیں کر سکتی۔ یہ ایک خارجی چیز کا عکس ہے (۲)

---

(۱) وقت ضائع کرنے (۲) باہر کی چیز کا عکس۔

جو تمہارے دل میں نظر آیا ہے بس اطمینان سے بیٹھے رہو اور اپنا کام کیے جاؤ لیکن میں یہ بھی کہے دیتا ہوں کہ اس وقت باوجود یہ کہ اتنی کچھ شرح کردی گئی اور اس کی حقیقت بتلادی گئی مگر جس وقت سالک کو یہ مغالطہ پیش آتا ہے اس وقت اس سے نہ ڈرنا اور مطمئن و مستقل رہنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

شیخ کامل کی ضرورت

نیز بعض اوقات اس میں کچھ ریاء کا بھی حصہ ہوتا ہے سو اس امتیاز کے لیے بھی اور اگر وہ وسوسہ ہے تو اس میں تسلی کرنے کے لیے بھی دوسرے کی دستگیری (۱) کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت کوئی دستگیر (۲) موجود ہو تو بڑا کام نکلتا ہے کیونکہ خود اپنی حالت کو سمجھنا آسان نہیں ہے اور شیخ کو بصیرت ہوتی ہے کیونکہ وہ بہت سے مغالطے دیکھ چکا ہے اور بہت سے گرم و سرد چکھ چکا ہے جو پریشانی تم کو پیش آئی ہے وہ بارہا پیش آ چکی ہے، اس کو بھی کسی صاحب بصیرت نے سنبھالا تھا، بار بار تجربہ ہونے سے اسکو پوری بصیرت حاصل ہوگئی ہے تو وہ ہر حالت کو پہچانتا ہے کہ اس میں کتنا حق اور کتنا باطل شامل ہے اور کتنی واقعیت اور کتنا دھوکہ ہے اور اپنے آپ اپنی حالت کو اگر کوئی شخص کسی وقت پہچان بھی لے لیکن اپنی تشخیص پر اطمینان نہیں ہوسکتا پوری پہچان اسی کو ہے جو بارہا تجربہ کرچکا ہے پھر اس کے ساتھ حق تعالیٰ کی مدد بھی شامل ہوتی ہے اس کا بتایا ہوا علاج سہل اور کامل ہوتا ہے۔ پس مغالطہ کے وقت اپنی تجویز پر اطمینان نہ کرو اپنے مربی اور دستگیر سے مشورہ کرو اور سہل اور بے خطر طریقہ تو یہی ہے تاہم اس وقت کا بیان بھی بیکار نہیں کیونکہ کام کی بات کان میں پڑی رہے تو اچھا ہے اس واسطے اس مغالطہ کو حل کردیا گیا اور طریقہ علاج کا بتلادیا گیا اور اس کی پہچان بھی بتلادی کہ دھوکہ کس صورت میں ہے اور واقعی گناہ کس صورت میں ہوتا ہے اس کا حاصل بعنوان دیگر یہ ہے کہ غور کرکے دیکھو کہ اصل بناء کار (۳) کیا ہے اگر عمل شروع اس واسطے کیا گیا ہے کہ مخلوق دیکھے اور ہماری طرف نظریں اٹھیں تو یہ بیشک ریاء ہے اس سے ڈرو اور خدائے تعالیٰ کی غیرت کا خیال کرو، دنیا میں کوئی بھی اپنے حق میں غیر کو

(۱) ہاتھ تھامنے کی (۲) ہاتھ تھامنے والا موجود ہو (۳) اس کام کی اصلی بنیاد کیا ہے۔

شریک کرنا پسند نہیں کرتا تو خدائے تعالیٰ عبادت میں کسی کو شریک کرنا کیسے پسند کریں گے اور اگر اصل بناء کار مخلوق کو دکھلانا نہیں ہے بلکہ رضا حق مطلوب ہے اور اس پر بے اختیار مخلوق کا خیال طاری ہوگیا تو اس کو کچھ نہ سمجھو یہ ریاء نہیں ہے یہ ریاء کا وسوسہ اور خیال ہے اس کی کچھ پرواہ مت کرو اور اپنا کام کیے جاؤ، یہ بحث درمیان میں آگئی تھی لیکن بہت کار آمد ہے اور یاد رکھنے کی باتیں ہیں اصل شکایت یہ تھی کہ صرف وہی عمل کیوں کیے جاتے ہیں جن پر مخلوق کی نظر پڑتی ہے وہ عمل کیوں نہیں کیے جاتے جن پر مخلوق کی نظر نہیں پڑتی بلکہ صرف خالق کی نظر پڑتی ہے۔ یہ بات کیوں ہے کہ ظاہر کو بنایا جاتا ہے صلحاء کی سی صورت وضع قطع بنائی جاتی ہے میں یہ نہیں کہتا کہ یہ ظاہر کی درستی بری بات ہے بلکہ یہ بھی ضروری ہے مگر اس کے ساتھ یہ بات کیوں ہے کہ باطن کو نہیں سنوارا جاتا۔ اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ مخلوق کے دکھلانے کا خیال ہے یہی تو ریاء ہے ظاہر کو بناتے ہو اور دل کو محفوظ نہیں رکھتے (میں خود بھی اسی میں داخل ہوں کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں دوسروں ہی پر اعتراض کررہا ہوں بلکہ ایک واقعی حالت بیان کی جاتی ہے جو سب میں مشترک ہے پس ہم کو اصلاح کی ضرورت ہے) آخر اس کی کوئی وجہ ہے اس میں غور کرو اور ظاہر کی اصلاح بھی کرو اور باطن کی اصلاح بھی کرو اس طرح سے کہ دل کو اللہ تعالیٰ سے لگاؤ فضول دھندوں میں بے ضرورت نہ لگاؤ، کام کے وقت کام میں لگو اور خالی وقت میں اللہ میاں کا دھیان رکھو، اللہ میاں کا دھیان رکھو اگر دل میں اللہ میاں کا دھیان آسانی سے نہیں آرہا ہے تو موت کا دھیان لاؤ، جنت کا دھیان لاؤ، یہ تو آسان ہے موت تو یقینی چیز ہے، روزانہ اس کے منظر آنکھوں کے سامنے رہتے ہیں اس کا تصور آنے میں کیا دقت ہے، نیز جنت ایسی مزیدار چیز ہے کہ اس کے تصور سے بھی مزہ آئے گا اس کا تصور بہت آسانی سے آسکتا ہے خالی وقت میں اسی کو سوچا کرو کہ جنت میں یوں میوے ہیں، یوں پانی ہے، یوں مکان ہیں، یوں حوریں ہیں اور گو ایک طریق مقصود(۱) کا دوزخ کا مراقبہ بھی ہے مگر خیر آپ کو اس سے وحشت ہوتی ہے تو دوزخ کا ذکر نہ سہی، جنت ہی

(۱) مقصود حاصل کرنے کا ایک طریقہ۔

کو سوچو، دوزخی کیوں بنو، گو احتمال ہی کے درجہ میں ہو جنتی بنو، گو امید ہی کے درجہ میں ہو یہ بھی مقصود کے لیے مفید و کافی ہو جاوے گا۔

دوزخ پر ایک قصہ یاد آیا ایک امام تھے روڑکی (۱) میں، وہ جمعہ کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھا کرتے تھے، گرمی کا موسم دھوپ میں لوگوں کو سخت تکلیف ہوتی تھی، ایک دن کسی نے نماز کے اقتصار کے لیے کہا تو کہنے لگے اب تم قیامت کے دن جہنم میں کس طرح رہو گے، جب تم سے اتنی سی گرمی کی سہار نہیں ہوتی۔ یہ حضرت لوگوں کو ابھی سے عادت ڈالتے تھے جہنم کی گرمی کی سہار کی گویا ان کے نزدیک سب جہنمی تھے جن کا جہنم میں جانا یقینی تھا اس واسطے ابھی سے گرمی کے برداشت کرنے کی عادت ڈالتے تھے مگر وہ خود بھی دھوپ میں کھڑے ہوتے تو ہم جانتے کیسے سہار ہوتی ہے۔ شاید انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ وہاں بھی امام کی ضرورت ہوگی ہر گروہ کا ایک امام ہوگا۔ يَقْدُمُ قَوْمَهُۥ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ (۲) فرعون کے بارے میں وارد ہے کہ وہ اپنے گروہ کا امام ہوگا اور سب سے آگے جہنم میں جائے گا۔ اگر یہ مقتدی جہنمی ہوں گے تو یہ امام صاحب وہاں بھی آگے ہوں اور سب کی امامت کریں گے اور آگے آگے دوزخ میں جائیں گے۔ یہ حکایت بطور لطیفہ کے دوزخ کے لفظ پر یاد آ گئی تھی، ذکر یہ تھا کہ جنت کو سوچو، دوزخ کو نہ سہی، دوزخ کو ہم کیوں سوچیں، جب ہمارا کام جنت ہی کے نام سے بن جاوے تو دوزخ کا نام کیوں لیں، گو افعال تو ہمارے جہنم ہی کے ہیں جنت کی امید لگانا خیال خام معلوم ہوتا ہے مگر کیا کیا جاوے، طبیعتیں ضعیف بہت ہیں دوزخ کے ذکر سے احتمال ہے کہ شاید بددلی پیدا ہو جائے۔

لہٰذا جنت ہی کے ذکر کو بتلایا جاتا ہے اور وہ بھی کافی اس طرح ہوگا کہ جب جنت کے مراقبہ سے اس کا شوق پیدا ہو گیا تو گناہ آپ ہی چھوٹ جائیں گے اور یہی مقصود ہوتا دوزخ کے ذکر سے کہ آدمی گناہوں سے توبہ کر لے اور اعمال صالحہ کی ہمت کرے۔ جب یہ مقصود جنت کے ذکر سے حاصل ہے تو جہنم کے ذکر پر کیوں زور دیا جائے

(۱) جگہ کا نام ہے (۲) ھود: ۹۸۔

بلکہ آج کل کی طبیعتوں کو دیکھتے ہوئے یہ تجربہ ہے کہ شوق دلانے والے مضامین سے زیادہ نفع ہوتا ہے بہ نسبت خوف دلانے والے مضامین کے اسی واسطے میں ترہیب (۱) کے مضامین زیادہ نہیں بیان کرتا ہوں ترغیب کے مضامین زیادہ بیان کرتا ہوں۔

خلاصۂ بیان

غرض خلاصہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ سے تعلق زیادہ کرنے کی کوشش کرو، دنیا کے ذکر فکر میں بھی رہو مگر اس کو عارضی کام سمجھو، اپنا اصلی کام ذکر اللہ کو سمجھو اور اگر تعلق مع اللہ براہ راست پیدا نہیں ہوتا تو اسی طرح سہی کہ جنت کی یاد کیجئے، اس کا شوق دل میں بھر جائے گا تو فضول چیزوں سے دل خالی ہو جائے گا۔ جب دل فضولیات سے خالی ہو جائے گا تو اس میں استعداد ہو جائے گی خدا کی یاد بھرنے کی پس شوق جنت بھرنے سے فضولیات سے خلو ہو گا اور اس خلو سے خدا کی یاد بھرے گی جس طرح ایک بوتل میں ہوا ہے اس کو پانی سے بھر دیں تو ہوا سے خالی ہو جاوے گی اور پانی سے خالی کر دیں تو ہوا سے بھر جائے گی اسی طرح یہاں ایک ملاء سے دوسرا خلو اور اس خلو سے دوسرا املاء (۲) حاصل ہو گا۔ کیسی واضح مثال ہے اس سے بہت اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے کہ جنت کے ذکر سے کیا فائدہ ہے پس ذکر جنت مقصود اصلی نہیں بلکہ اس واسطے اختیار کیا گیا ہے کہ اس سے ذکر اللہ کے حاصل ہونے اور غیر اللہ سے انقطاع (۳) ہونے میں سہولت ہو جنت کے ذکر سے حور کے ذکر سے انہار (۴) کے ذکر سے دل کو بھرو۔ اس کے بعد وہ دولت جو اصلی مقصود ہے یعنی ذکر خدا بواسطے خلوعن الموانع (۵) کے وہ بھی دل میں بھر جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ دیکھ لینا لیجئے میں نے جواہرات (۶) کو کوڑیوں (۷) کے مول کر دیا، اب بھی کوئی ہمت نہ کرے تو اس کی قسمت۔

قلب کا اصل مرض

الحاصل اصل مرض قلب کا ذکر اللہ سے غفلت (۸) ہے جس پر ہم لوگوں کی

(۱) ڈرانے والے مضامین (۲) ایک کے بھرنے سے دوسرے کا خالی ہونا اور ایک کے خالی ہونے دوسرے کا بھرنا لازم آتا ہے (۳) اللہ کے غیر سے تعلق توڑنے میں سہولت ہوتی ہے (۴) نہروں (۵) جب دل سے رکاوٹیں دور ہو جائیں گی تو دل ذکر اللہ سے بھر جائے گا (۶) ہیرے (۷) ایک حقیر سکہ ہے جو ایک پیسہ سے بھی کم کا ہوتا تھا (۸) یاد الٰہی سے لاپرواہی۔

نظر نہیں اسی کی مذمت فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حدیث میں اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَجِيْبُ الدُّعَاءَ عَنْ قَلْبٍ لَاهٍ[1] اور عجیب عنوان سے مذمت فرمائی ہے کہ اس کی برائی کی حد بیان فرمادی کہ ایسی بری چیز ہے غفلت جس سے آدمی کی دعاء بھی قبول نہیں ہوتی حالانکہ دعاء عنداللہ سب سے احب[2] ہے جس کا مقتضا تھا قبول ہونا مگر یہ غفلت ایسی چیز ہے کہ اس میں بھی مانع[3] ہوجاتی ہے اس کے ہوتے ہوئے دعا قبول نہیں ہوسکتی۔ یہ کس قدر برائی ہے چھوٹے سے لفظ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنی بڑی بات بیان فرمادی جو بڑے لفظ میں بھی بیان نہیں ہوسکتی تھی یہ ایسا ہے جیسے کوئی سنکھیا[4] کی برائی ان لفظوں سے بیان کرے کہ سنکھیا آنتوں کو کاٹ دیتا ہے، کہنے کو تو یہ ذرا سے لفظ ہیں ان میں یہ بھی نہیں کہا گیا کہ سنکھیا قاتل ہے اور اس سے انسان مرجاتا ہے صرف ایک ذرا سا اثر اس کا بیان کیا گیا ہے کہ آنتوں میں زخم ڈال دیتا ہے مگر یہ اثر ایسا ہے کہ اس کا انجام قتل ہی ہے۔ گو آنتیں بدن میں عضو رئیس[5] نہیں ہیں اور اس اعتبار سے اس کی یہ برائی کہ آنتوں کو کاٹ دیتا ہے کچھ زیادہ برائی میں داخل نہ ہونا چاہیے تھا بجائے اس کے یہ لفظ زیادہ مؤثر ہوتا کہ سنکھیا اعضائے رئیسہ[6] کو خراب کردیتا ہے لیکن درحقیقت وہی لفظ زیادہ بلیغ ہے کہ آنتوں کو کاٹ دیتا ہے اس وجہ سے کہ اعضائے رئیسہ کی بقا آنتوں کی بقاء[7] پر موقوف ہے تو ان کو کاٹنے والی چیز اعضائے رئیسہ کو بطریق اولی خراب کردے گی اسی طرح غفلت کا یہ نقصان بیان کرنا کہ اس سے دعا قبول نہیں ہوتی معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت بڑا نقصان ہے جیسا عنقریب اس عنوان کی تفصیل میں آتا ہے۔

دعا کا مفہوم

سو اول دیکھنا چاہیے کہ دعاء کیا چیز ہے قرآن مجید میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دعاء کے دو معنی ہیں اور دونوں یہاں ممکن ہیں ایک معنی ہیں مانگنا اس معنی میں دعاء کا لفظ جا بجا آیا ہے اور عام وخاص سب جانتے ہیں کہ دعاء کے معنی مانگنا اور سوال کرنا

(۱)''اللہ تعالیٰ غافل دل کی دعا قبول نہیں فرماتے'' مسند احمد ۲/۱۷۷، الترغیب والترہیب:۲/۴۱۹
(۲)سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ہے (۳)رکاوٹ (۴)زہر (۵) جسم کے مرکزی اعضاء میں سے نہیں ہیں (۶) دل، جگر، گردے، پھیپھڑے وغیرہ (۷) آنتیں ٹھیک ہوں گی تو سب اعضاء ٹھیک ہوں گے۔

ہیں اور دوسرے معنی ہیں عبادت۔ چنانچہ يَدۡعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ (۱)(بہت جگہ آیا ہے اس کی تفسیر جمہور مفسرین یعبدون من دون اللّٰہ یعنی عبادت کرتے ہیں اللہ کے غیر کی) ساتھ کرتے ہیں اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں: وَقَالَ رَبُّكُمُ ٱدۡعُونِيٓ أَسۡتَجِبۡ لَكُمۡۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَسۡتَكۡبِرُونَ عَنۡ عِبَادَتِي سَيَدۡخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴿٦٠﴾ (۲) اس آیت میں دعاء کا امر فرمایا اور اس پر ایک وعدہ فرمایا پھر عبادت کے ترک پر ایک وعید(۳) بیان فرمائی۔ ظاہر ہے کہ اگر دعا عبادت دونوں ایک معنی میں نہ ہوں تو کلام غیر مربوط(۴) ہوتا ہے پس یہ قرینہ ہوا اس بات کا کہ دعاء اور عبادت سے ایک مراد ہے خواہ ادعونی معنی اعبدونی(۵) ہوں خواہ عبادتی بمعنی دعائی(۶) ہو اور گو اس میں دونوں احتمال ہیں کہ دعاء بمعنی عبادت ہو یا عبادت بمعنی دعاء ہو مجھ کو حق حاصل ہے ایک معنی لے لینے کا خصوصًا جب کہ دوسری اکثر جگھوں میں وہی معنی متعین ہیں۔ يَدۡعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ (۷)(میں یقیناً اور تعیناً دعا عبادت ہی کے معنی میں ہے تو اس احتمال سے تائید ہوتی ہے اس بات کی کہ ادعونی بمعنی اعبدونی ارجح ہے اس بنا پر اس حدیث: لَا يَسۡتَجِيبُ الدُّعَاءَ عَنۡ قَلۡبٍ لَاهٍ میں بھی دعاء بمعنی عبادت ہوگی)۔

دعا عبادۃ کا مغز ہے

اور اس مضمون کی مزید تائید بلکہ قریب قریب فیصلہ اس حدیث سے ہوتا ہے: اَلدُّعَاءُ مُخُّ الۡعِبَادَةِ(۸) اس میں دعاء کی ایک خاص فضیلت بیان فرمائی گئی ہے کہ دعاء مغز ہے عبادت کا یہ حدیث صریح ہے اس میں کہ دعاء افضل افراد عبادت(۹) ہے تو اگر دعاء عبادت نہ ہو تو اس حدیث کے کوئی معنی نہ ہوں گے تو ہر دعاء پر عبادت کا صادق آنا

(۱)''پکارتے ہیں اللہ کے سوا'' الانعام:۱۰۸ (۲)''اور تمہارے پروردگار نے فرما دیا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا جو لوگ (صرف) میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب (مرتے ہی) ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے'' غافر:۶۰ (۳) سزا کا ذکر کیا (۴) کلام بے جوڑ ہوجائے گا (۵) میری عبادت کرو (۶) میری عبادت کرنے کا مطلب مجھے پکارو میں بھی دعاء بمعنی عبادت ہوگی (۷)''اللہ تعالیٰ غافل دل سے دعا قبول نہیں کرتے'' الانعام:۱۰۸ (۸)سنن الترمذی:۳۳۷۱، کنز العمال: ۳۱۱۴ (۹)عبادت کا سب سے افضل رکن ہے۔

ضرور ہے تو حدیث زیر بیان میں بھی دعاء پر عبادت صادق آوے گا تو اس صورت میں لَا یَسْتَجِیْبُ الدُّعَاءَ عَنْ قَلْبٍ لَاہٍ (۱) کے معنی یہ ہوں گے لا یقبل العبادۃ عن قلبہ لاہ یعنی حق تعالیٰ عبادت کو خواہ مطلق درجہ میں یا فرد خاص کے درجہ میں قلب غافل سے قبول نہیں فرماتے۔

بہر حال ان الفاظ میں دلالت ہے اس بات پر کہ عبادت قلب غافل سے قبول نہیں ہوتی اب دیکھئے یہ کتنی بڑی مذمت (۲) ہوئی غفلت (۳) کی کہ غفلت کی وجہ سے انسان کی عبادت مطلقہ یا خاصہ قبول نہیں ہوتی حالانکہ انسان پیدا کیا گیا ہے عبادت ہی کے واسطے، اصلی غایت خلق انسان سے عبادت ہی ہے جب وہی قبول نہیں تو انسان محض بیکار رہوا۔ گویا انسان انسان ہی نہ رہا اس سے زیادہ کیا برائی ہوسکتی ہے۔

غفلت کی مذمت

دیکھ لیا آپ نے کہ غفلت کس قدر بری چیز ہے اور اس چھوٹے سے اور معمولی عنوان اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَجِیْبُ الدُّعَاءَ عَنْ قَلْبٍ لَاہٍ (۴) میں کتنا بڑا مضمون ادا ہوا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان پیدا ہوا ہے عبادت کے لیے اور غفلت مانع ہے (۵) اس کی صحت سے تو غفلت وہ چیز ہوئی جس سے انسان انسانیت سے نکل جاتا ہے۔

اب یہاں ایک شبہ ہوسکتا ہے وہ یہ کہ اس وقت کی تمام تر تقریر مذمت غفلت کا حاصل یہ ہے کہ کسی وقت بھی غفلت نہیں چاہیے حالانکہ ابھی یہ بھی کہا گیا ہے کہ غفلت قبول عبادت کے لیے مانع ہے (۶) یعنی قبول عبادت کے لیے عدم غفلت شرط (۷) ہے اس جملہ کا حاصل یہ ہے کہ جس وقت عبات کی جائے اس وقت غفلت نہ ہونا چاہیے اور ظاہر ہے کہ ہر وقت عبادت نہیں کی جاتی تو ہر وقت غفلت کا نہ ہونا بھی ضروری نہ ہوا تو یہ حکم کہاں صحیح ہوا کہ کسی وقت غفلت نہیں چاہیے، عدم غفلت کا شرط ہونا قبول عبادت کے لیے ایسا ہوا جیسا وضو کا ہونا شرط ہے، صحت نماز کے لیے اور سب

(۱) ''غافل دل سے دعا قبول نہیں کرتے'' (۲) برائی (۳) لاپرواہی کی (۴) ''بے شک اللہ تعالیٰ غافل دل سے دعا قبول نہیں کرتے'' مسند احمد: ۲/ ۱۷۷، الترغیب والترہیب ۲/ ۴۱۹ (۵) لاپرواہی رکاوٹ ہے (۶) قبول عبادت میں رکاوٹ ہے (۷) قبول عبادت کے لیے لاپرواہی نہ ہونا شرط ہے۔

جانتے ہیں کہ وضو کا ہونا نماز کے وقت ضروری ہے دوسرے وقت ضروری نہیں یہ کوئی نہیں کہتا کہ ہر وقت باوضو رہنا ضروری ہے اسی طرح یوں کہنا لازم ہوگا کہ غفلت کا نہ ہونا عبادت کے وقت تو ضروری ہے کیونکہ یہ عبادت کے قبول کا موقوف علیہ(۱) ہے اور دوسرے وقت ضروری نہیں جیسے وضو کا ہر وقت رہنا ضروری نہیں جواباً عرض کرتا ہوں کہ حقیقت میں اس عنوان کا مقتضا تو یہی ہے یعنی جب یہ کہا گیا کہ عبادت قبول ہونا موقوف ہے غفلت کے نہ ہونے پر تو اس کے معنی یہی ہوں گے کہ عبادت ہی کے وقت اس کی ضرورت ہے دوسرے وقت ضرورت نہیں۔

دل کو خیالات سے خالی کرنا آسان کام نہیں

لیکن میرا یہ دعویٰ ہے کہ عبادت کے وقت یاد اور ذکر جب ہی ہوسکتا ہے جبکہ دوسرے وقت بھی غفلت نہ ہو، یہ نہیں ہوسکتا کہ تمام اوقات میں تو غفلت ہو اور عبادت کے وقت غفلت نہ رہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آدمی کا دل تمام اوقات میں تو خیالات سے بھرا ہو اور جب نماز پڑھنے کھڑا ہو تو ان خیالات سے ایک دم دل کو خالی کر لے دل کو خیالات سے خالی کرنا آسان کام نہیں اس کے لیے بڑی مشق کی ضرورت ہے اور کچھ دیر پہلے سے تہیہ کرنا چاہیے اس پر بھی اگر کچھ کامیابی ہوجائے تو بڑی بات ہے تو اس کو وضو پر قیاس کرنا صحیح نہیں بلکہ قیاس مع الفارق(۲) ہے وہ فارق یہ ہے کہ وضو کے لیے دیر سے تہیہ کرنے کی ضرورت نہیں جس وقت نماز کا ارادہ ہوا دو منٹ پہلے ارادہ کر کے وضو کرلیا، بخلاف ذکر اور یاد قلبی کے کہ اس میں یہ نہیں ہوسکتا کہ جب عبادت کا وقت آیا اس کو حاصل کرلیا، ذکر قلبی صرف اس بات میں تو وضو کے مشابہ ہے کہ موقوف علیہ ہے قبول عبادت کے لیے لیکن اس بات میں مشابہ نہیں کہ جیسے وضو سہل کام ہے کہ عین وقت پر حاصل ہوجاتا ہے ایسے ہی یہ بھی سہل(۳) ہو اور عین وقت پر حاصل کرلیا جائے تو وضو پر اس کو قیاس کر کے یہ حکم اس پر جاری نہیں کرسکتے کہ جیسے وضو صرف عبادت کے وقت ضروری ہے اور دوسرے وقت ضروری نہیں ایسے ہی فراغ قلب اور ذکر صرف عبادت کے وقت ضروری

(۱) عبادت کی قبولیت اس پر موقوف ہے (۲) یہ قیاس درست نہیں (۳) آسان۔

ہو اور دوسرے وقت ضروری نہ ہو یہ ذکر قلبی ایسی چیز ہے کہ جب دیگر اوقات میں بھی اس کی کوشش کی جائے تب ممکن ہے کہ کچھ عبادت کے وقت میں بھی حاصل ہو جائے۔

اس تقریر سے دونوں کا فرق سمجھ میں آ گیا ہو گا اور راز اس کا یہ ہے کہ وضو امر حسی (۱) ہے اور جوارح (۲) کا کام ہے جب چاہا کر لیا اس پر پورا اختیار ہے۔ علی ہذا وضو کا ٹوٹنا بھی اختیاری ہے گو اس درجہ کا اختیاری نہیں جس درجہ کا وضو کا کر لینا ہے مگر ہے تو اختیاری ہی چونکہ وضو وجوداً وعدماً (۳) اختیاری ہے اس واسطے کہہ سکتے ہیں کہ تمام وقت میں باوضو رہنا ضروری نہیں کیونکہ وضو کی ضرورت عبادت کے لیے ہے اور اس پر اس درجہ اختیار حاصل ہے کہ جب چاہیں کر سکتے ہیں تو عبادت کے سوا دوسرے وقت میں اس کی کیا ضرورت ہے اور ذکر امر قلبی (۴) ہے اور یہ تجربہ ہے کہ امر قلبی پر اتنا اختیار نہیں ہوتا جتنا فعل جوارح (۵) پر ہوتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ امر قلبی اختیار سے خارج ہے کیونکہ اگر اختیار سے خارج کہا جائے تو اس کا امر کرنا تکلیف مالا یطاق (۶) کو مستلزم ہوگا۔ قلب پر بھی اختیار ہے اور اسی بناء پر امور قلبیہ کی تکلیف دی گئی ہے لیکن وہ اختیار کالاضطرار (۷) ہے اس پر اتنا قابو نہیں ہوتا جتنا فعل جوارح (۸) پر ہوتا ہے تو فعل جوارح میں اور فعل قلبی میں فرق ہونا چاہیے اس واسطے کہا جاتا ہے کہ وضو ہر وقت کرنا ضروری نہیں صرف عبادت کے وقت کر لینا کافی ہے اور ذکر جو مقابل ہے غفلت کا اس کا ہر وقت کرنا ضروری ہے اس بھروسہ میں نہیں رہنا چاہیے کہ عبادت کے وقت کر لیں گے اب یہ ایسا ہو گیا جیسے اس شخص کی حالت ہے جس کا وضو دو گھنٹے سے کم میں نہیں ہوتا، بعضے ایسے وہمی ہوتے ہیں کہ وضو میں ان کو بہت بہت دیر لگتی ہے ایسے آدمی کو کہا جائے گا کہ اس کو نماز سے دو گھنٹے پہلے تیار ہونا ضروری ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ کوئی حکم شرعی ہے کہ نماز سے دو گھنٹے پہلے وضو کرنا چاہیے حکم شرعی تو یہی ہے کہ نماز بلا وضو نہیں ہو سکتی، تکبیر تحریمہ سے پہلے وضو ہونا ضروری ہے باقی اس شخص کو جو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ

(۱) ایک محسوس کام (۲) اعضاء (۳) وضوء کرنا اور توڑنا دونوں اختیاری ہیں (۴) دل کا کام (۵) اعضاء کے فعل پر (۶) ایسے کام کا حکم دینا ہے جو انسان کے قبضہ قدرت میں نہ ہو (۷) لیکن یہ اختیار غیر اختیاری کی طرح ہے (۸) اعضاء کے فعل پر قدرت ہوئی ہے۔

دو گھنٹے پہلے سے تیاری کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لیے وضو وقت پر یعنی تکبیر تحریمہ سے پہلے موجود کر لینا مثل غیر اختیاری کے ہے گو واقع میں اختیاری ہے ایسے ہی اگر اس بات کو مان بھی لیا جائے کہ ذکر اور عدم غفلت (۱) صرف عبادت کے وقت ضروری ہے اور غیر اوقات میں ضروری نہیں لیکن ہماری حالت اسی شخص کی سی ہے جو وضو دو گھنٹے سے کم میں نہیں کر سکتا کیونکہ ہم عبادت کے وقت ایک دم دل کو فارغ نہیں کر سکتے اس واسطے ضرورت ہے کہ پہلے سے تیاری کریں اسی واسطے کہا جاتا ہے کہ اس بھروسے نہ رہو کہ عبادت کے وقت دل کو فارغ کر لیں گے اور غفلت کو دور کر دیں گے بلکہ عبادت کے سوا دوسرے اوقات میں بھی دل کو فارغ رکھو اور غفلت سے بچاؤ جب ایسا کرو گے تب کہیں عبادت کے وقت ذکر اور یاد ہو سکے گی اور غفلت نہ ہوگی یہ نہیں ہو سکتا کہ پہلے سے تیار نہ ہو اور عین وقت عبادت پر تیار ہو جاؤ اور سب خیالات کو دل سے مٹا دو ان وہمیوں کے وضو کی مثال سے سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ عبادت کے سوا دوسرے اوقات میں غفلت ترک کرنے اور ذکر حاصل کرنے کے لیے کیوں کہا جاتا ہے اس میں اتنا اور اضافہ کرتا ہوں کہ وہمی کے وضو کی قبلیت (۲) کے لیے تو ایک حد ہے مثلاً دو گھنٹے کہ کیسا ہی وہمی ہو اتنے وقت میں وضو کر ہی لے گا لیکن ذکر کی قبلیت کے لیے کوئی حد نہیں کہ مثلاً یوں کہا جائے کہ نماز سے گھنٹہ بھر پہلے یا دو گھنٹے پہلے غفلت کو چھوڑ کر ذکر میں لگو تاکہ نماز میں ذکر اور فراغ قلب حاصل ہو اس کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کیا جا سکتا اور بجز اس کے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ہر وقت قلب کو غیر اللہ سے اور فضول باتوں سے خالی رکھو جب ہر وقت اس کی کوشش کرتے رہو گے تب نماز کے وقت اس میں کامیابی ہوگی۔

ہر وقت ذکر اللہ کی ضرورت

نتیجہ یہی نکلا کہ ہر وقت ضرورت ہوئی ذکر کی اور توجہ الی اللہ کی کوئی وقت ایسا نہیں ہونا چاہیے جس میں ذکر نہ ہو اور غفلت ہو آپ کہیں گے اچھے پھنسے کسی وقت بھی فرصت نہیں ذکر کی، ضرورت تو تھی عبادت کے وقت مگر سارا وقت اسی میں آ گیا یہ خیال

(۱) لاپرواہی سے بچنا (۲) کتنی دیر پہلے وضوء کرے۔

آپ کا صحیح ہے ذکر اللہ کی حقیقت ہے، تعلق مع اللہ(۱) اور تعلق مع اللہ واقعی ایسی ہی چیز ہے کہ اس سے کسی وقت فراغ نہیں ہوسکتا۔

بحرے است بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست اینجا جز آنکہ جاں بسپارند چارہ نیست(۲)

یہ تو جنم روگ(۳) ہے اس سے کبھی پیچھا نہیں چھوٹ سکتا اور نہ پیچھا چھوٹنا چاہیے ہم جو اس سے گھبراتے ہیں اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ (نعوذ باللہ) کوئی گھبرانے کی چیز ہے بلکہ وجہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کو حس(۴) نہیں ہے، ہماری حس الٹی ہوگئی ہے کہ جو چیز گھبرانے کی ہے اس سے تو گھبراتے نہیں اور جو چیز گھبرانے کی نہیں ہے بلکہ تمام چیزوں سے بڑھ کر راحت کی چیز اور لذیذ ہے اور ہر چیز کی جان اور روح ہے اس سے گھبراتے ہیں۔ صاحبو! یہ تعلق مع اللہ تو واقعی ایسی ہی چیز ہے کہ ایک لمحہ کے لیے بھی اس سے خالی نہ ہونا چاہیے۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نہ باشی شاید کہ نگاہ کند آگاہ نہ باشی(۵)

جن لوگوں کو یہ حس پیدا ہوگئی ان کے حالات پڑھیے کہ بات کرنے سے بھی وہ گھبراتے تھے اور ملنے جلنے سے بھی وہ گھبراتے تھے، دیکھنے والا ان کو وحشی سمجھتا لیکن وہ ایسے وحشی تھے کہ تمام دنیا کے عاقل ان کے سامنے سر جھکاتے تھے، یہ وحشت ان کی اس واسطے تھی کہ ان کی حس صحیح ہوگئی تھی، گھبرانے کی چیز سے گھبراتے تھے اور انس کی چیز سے انس(۶) کرتے تھے، انس کی چیز کیا ہے اللہ اور ذکر اللہ سے انس رکھتے تھے اور گھبرانے کی چیز کیا ہے ماسویٰ اللہ اور ماسویٰ اللہ کا ذکر اس سے ان کو وحشت اور نفرت ہوتی تھی سو حضرت یہ جنم روگ(۷) بے شک آپ کے پیچھے لگ گیا مگر اس سے گھبرایئے نہیں بلکہ حس کو صحیح کر لیجئے پھر معلوم ہوجائے گا کہ یہ کس قدر راحت کی چیز ہے پھر اس وقت اگر کوئی آپ سے اس کو چھڑائے گا تو آپ جان دینا پسند کریں گے مگر اس کو چھوڑنا پسند نہ کریں گے۔

---

(۱) اللہ کے ساتھ تعلق قائم ہونا (۲) ’’بحر عشق ایسا دریا ہے کہ اس کا کوئی کنارہ نہیں اس جگہ سوائے اپنی جان سونپنے کے کوئی دوسرا چارہ نہیں‘‘ (۳) ساری عمر کا کام (۴) احساس (۵) ’’پلک جھپکنے کے برابر بھی اس شہنشاہ سے غافل مت ہو ممکن ہے کہ اس کی نگاہ لطف تجھ پر پڑتی ہو اور تجھ کو خبر نہ ہو‘‘ (۶) محبت کرنے والی چیز سے محبت رکھتے تھے (۷) پوری زندگی کرنے کا کام۔

وضو اور ذکر باہم مشابہت

غرض ذکر اللہ سے گھبرایئے نہیں بلکہ اس کو حاصل کیجئے ہر وقت نہ ہو تو اتنا تو ہو کہ عبادت کے وقت حاصل ہو لیکن جب عبادت کے وقت اس کا قصد کرو گے تب معلوم ہوگا کہ اس کا عبادت کے وقت حاصل ہونا بھی بلا اس کے مشکل ہے کہ دوسرے اوقات میں بھی اس کا شغل رکھا جائے۔ اور اس کو وضو پر قیاس نہ کرنے کی ایک اور وجہ سمجھ میں آئی وہ یہ ہے کہ وضو میں وضو کے مزاحم (۱) غالب نہیں ہوتے یعنی یہ نہیں ہوتا کہ جب ہم وضو کرنے بیٹھیں تو کوئی ہم کو ہاتھ پکڑ کر کھینچ لے بلکہ جب تک خود ہم ہی قطع وضو (۲) کا قصد نہ کریں وہ قطع نہیں ہوسکتا بخلاف ذکر کے کہ اس میں بدون (۳) ہمارے قصد کے بھی مزاحم غالب (۴) ہونے لگتے ہیں جن میں ہمارے قصد کو کچھ دخل نہیں ہوتا ہم تو چاہتے ہیں کہ ذکر قطع نہ ہو مگر قطع ہو جاتا ہے پھر شروع کرتے ہیں پھر قطع ہو جاتا ہے، وضو میں ایسا کہاں ہوتا ہے کہ وضو کرنا شروع کریں اور بیچ میں رہ جائے پھر شروع کریں، پھر بیچ میں رہ جائے، غرض موقوف علیہ ہونے میں تو وضو اور ذکر باہم مشابہ ہیں کہ بلا وضو نماز نہیں ہوسکتی اور بلا ذکر عبادت قبول نہیں ہوتی لیکن ان دو وجہ میں باہم تخالف (۵) ہے کہ وضو اختیاری کامل ہے اور ذکر گو غیر اختیاری اور وضو کرنے میں مزاحم (۶) نہیں پیش آتے اور ذکر میں مزاحم پیش آتے ہیں اس واسطے یہ اجازت نہیں دی جاوے گی کہ جیسے وضو کا عبادت کے متصل ہو جانا کافی ہے ایسے ہی ذکر کا عبادت کے متصل موجود ہو جانا کافی ہو بلکہ یہ کہا جائے گا کہ ذکر کی ضرورت ہر وقت ہے تاکہ غفلت کی عادت چھوٹے اور عبادت کے وقت ذکر حاصل ہو۔

ذکر اللہ کی مشق کی ضرورت

غرض ذاکر بننے کے لیے مشق کی ضرورت ہے ورنہ بدون مشق کے صرف یہی نہ ہوگا کہ دوسرے وقتوں میں غفلت ہو بلکہ یہ ہوگا کہ عبادت میں بھی غفلت ہوگی اور ذکر

---

(۱) وضوء سے روکنے والے کام (۲) وضوء کے ختم کرنے کا ارادہ نہ کرے (۳) بلا ارادہ (۴) رکاوٹیں غالب آتی ہیں (۵) ایک دوسرے سے مختلف ہیں (۶) رکاوٹیں۔

حاصل نہ ہوگا چنانچہ ہم لوگوں کی یقینی حالت یہ ہے کہ اول تو ذکر کی طرف توجہ نہیں اور اگر توجہ ہوتی ہے تو یہ حالت ہوتی ہے کہ ہم تیار ہوئے ذکر کے لیے اور دل کو متوجہ کیا مگر ذکر دل سے نکل گیا پھر متوجہ کیا پھر نکل گیا، ذکر کیا کرتے ہیں ادھر سے ادھر بھاگے بھاگے پھرتے ہیں، فرمائیے جب یہ حالت ہے تو کیسے مان لیا جائے کہ ہم کو عبادت کے وقت ذکر حاصل کر لینے اور غفلت کو دور کر دینے کی کامل قدرت ہے اور ہم کو ذکر کی مشق کی ضرورت نہیں ہے یہ مانا کہ ذکر جو بلا اختیار دل سے نکل جاتا ہے یہ عبادت میں مخل نہیں ورنہ آپ کہیں گے کہ غیر اختیاری چیز کی تکلیف دی جاتی ہے جس کو تکلیف مالا یطقا(۱) کہا گیا ہے جو شریعت میں وارد نہیں ہے لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ ذکر کا دل سے نکل جانا اس وقت تو بلا اختیار ہے لیکن یہ شروع تو ہوتا ہے اختیار ہی سے یعنی ہم لوگوں نے عادت ڈال لی ہے دل کو ہر وقت فضول خیالات سے پر رکھنے کی یہ عادت ایسی طبیعت ثانیہ بن گئی ہے کہ اب اس کے چھوڑنے پر قریب قریب قدرت نہیں معلوم ہوتی تو یہ ذکر کا نکل جانا اس وقت بلا اختیار معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا شروع تو اختیار ہی سے ہوتا ہے پھر غالب آ کر غیر اختیاری ہو جاتا ہے پس اس اختیار سے ابتداء کرنے پر نکیر کی جاتی ہے کہ اس عادت کو بدلئے اور یہ بدلنا اختیار سے ممکن ہے جیسا کہ یہ عادت ڈالنا اختیار سے ہوا ہے اس کا ازالہ بھی اختیار سے ہوسکتا ہے اس واسطے اس کی تکلیف دی جاتی ہے۔

اب سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ یہ تکلیف مالا یطاق نہیں ہے یہ جو کچھ ہوا ہے تمہارے قصد سے اور پروا نہ کرنے سے ہوا اور ایک بات قابل غور ہے کہ وضو میں اول تو مزاحم پیش نہیں آتا اور اگر کوئی مزاحمت کرے مثلاً ہاتھ پکڑ لے اور وضو نہ کرنے دے تو ہم کو اس مزاحم کا موجود ہونا فوراً معلوم ہو جائے گا کیونکہ وہ محسوس چیز ہے ہم اس کو فوراً دفع کر دیں گے اور یہاں ذکر میں مزاحم بار بار پیش آتا ہے اور ہم کو فوراً معلوم نہیں ہوتا کیونکہ وہ محسوس چیز نہیں ہے تھوڑی دیر تک جب وہ اپنا اثر کر لیتا ہے تب ہم کو معلوم ہوتا ہے پھر ہم اس کو دفع کرتے ہیں پھر وہ اسی طرح اثر کرتا ہے کہ ہم کو خبر نہیں ہوتی پھر ہم خبر

(۱) اسے کام کا حکم جو قبضہ قدرت میں نہ ہو۔

ہونے کے بعد اس کو دفع (۱) کرتے ہیں، غرض اس مزاحم (۲) کا اثر ہم پر ہو ہی جاتا ہے کہ تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے غفلت ہوجاتی ہے اور وضو میں یہ بات نہ تھی جیسے ہی مزاحم پیش آیا ہم نے دفع کر دیا اور وضو کرلیا تو وضو اور ذکر میں یہ بھی فرق ہوگیا کہ وضو میں بوجہ اطلاع ہوجانے کے مزاحم غالب نہیں آتے اور ذکر میں بوجہ اطلاع نہ ہونے کے غالب آجاتے ہیں۔

غرض ایک وہ فرق تھا کہ وضو فعل جوارح (۳) سے ہے اور ذکر فعل قلب فعل (۴) جوارح پر زیادہ اختیار ہوتا ہے بہ نسبت فعل قلب کے تو وضو پر تو پورا اختیار ہے اور ذکر پر اتنا اختیار نہیں تو ذکر پر اختیار حاصل کرنے کے لیے زیادہ اہتمام اور پہلے سے تیار ہونے کی ضرورت ہے بہ نسبت وضو کے اور ایک یہ فرق ہوا کہ وضو میں مزاحم غالب نہیں آتے اور ذکر میں غالب آتے ہیں یہ بھی اسی کو مقتضی ہے کہ ذکر کے لیے زیادہ اہتمام اور پہلے سے تیاری کی جائے جب دونوں میں فرق ہے تو دونوں کے حکم میں بھی فرق ہوگا اب جواب ہوگیا اس بات کا کہ جب ذکر عبادت کی قبولیت کا موقوف علیہ ہے تو عبادت ہی کے وقت اس کا وجود کافی ہے ہر وقت اس کی کیا ضرورت ہے۔ وہ جواب یہ ہے کہ یہ مانا کہ ذکر شرط فی العبادۃ ہے لیکن اس کی ضرورت ہر وقت ہے کیونکہ اس کا عبادت میں حاصل ہونا خود موقوف ہے دوام پر۔

ہر وقت ذکر کی ضرورت

دوسری ایک بات اور ہے اور وہ اسی وقت سمجھ میں آئی وہ یہ کہ مانا کہ ذکر کی ضرورت عبادت ہی کے وقت ہے مگر ہم پوچھتے ہیں کہ کیا عبادت کے لیے بھی کوئی وقت ہے تم نے عبادت کے معنی نماز پڑھنے ہی کے کیوں لے لیے، عبادت کے معنی ہیں عبد شدن یعنی بندہ ہونا تو کیا اس کے لیے بھی کوئی وقت مقرر ہوسکتا ہے اگر اس کے لیے کوئی وقت ہے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ دوسرے وقت انسان عبد (۵) نہیں ہے اس وقت کیا ہوگا عبد تو ہے نہیں الٰہ (۶) ہوگا کیونکہ عبد کا مقابل الٰہ ہی ہے جب عبد نہیں تو پھر الٰہ ہوگا۔

(۱) دور (۲) رکاوٹ (۳) وضوء اعضاء کا فعل ہے (۴) ذکر دل کا فعل ہے (۵) بندہ (۶) معبود۔

صاحب اگر آپ عبادت سے کسی وقت نکلنا چاہتے ہیں تو الہٰ ہونے کا حوصلہ کیجئے کیا آپ اس کے لیے بھی تیار ہیں جیسے ایک گنوار کا قصہ ہے کہ وہ اپنے لڑکے کو میاں جی کے پاس لے گیا اور کہنے لگا، میاں جی اسے قرآن پڑھا دو اور زیادہ نہ پڑھائیو کہیں لوٹ پوٹ پگمبر (پیغمبر) ہوجاوے۔ ایک اور قصہ ہے کہ ایک کم ذات آدمی کسی جگہ جا کر پٹھان بن گیا، اس کے بعد کوئی پٹھان پہنچا اس نے اپنے کو سید بتایا پھر کوئی سید پہنچا اس نے اپنے کو خدا کا بیٹا بتایا، کسی نے پوچھا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ کہنے لگا جب ایک کم ذات پٹھان بن گیا اور پٹھان سید تو سید سوائے اس کے کہ خدا کا بیٹا بن جاوے اور کیا کرے۔ تو حضرت جب آپ بندہ بننے سے نکلے تو پھر خدا ہی کا درجہ ہے اگر انسان بندہ بننے کے لیے نہیں ہے تو کیا خدا بننے کے لیے ہے پس عبادت سے کسی وقت مستثنیٰ نہیں ہوسکتا۔

انسان بندہ بننے کے لیے ہے

اس خدا بننے پر ایک واقعہ یاد آیا میں نے استاد رحمۃ اللہ علیہ سے مؤکل تابع کرنے کا عمل پوچھا تو فرمایا کیا کروگے، میں نے عرض کیا جی چاہتا ہے کہ مؤکل تابع ہوجائیں جس کام کو جی چاہا ان کے ذریعے سے فوراً ہوگیا، فرمایا عمل تو اس قسم کے ہیں مگر میں پوچھتا ہوں کہ انسان بندہ بننے کے لیے ہے یا خدا بننے کے لیے میاں خود تابع بن جاؤ خدا کے بس یہی دولت ہے حکومت کر کے کیا کروگے۔

عبودیت عجیب چیز ہے

واقعی عبودیت (۱) عجب چیز ہے دوسروں کو تابع بنانا بھی فضول ہے اور اگر کسی درجہ میں اس کی ضرورت بھی ہے تو اس کی تدبیر بھی یہی ہے کہ آدمی خدا کا بندہ بن جائے، غالباً حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ کے وقت میں محدث محمد غوث بڑے عامل تھے، گوالیار میں انہوں نے ایک بار شیخ کی اشتیاق زیارت میں مؤکلوں کو حکم دیا کہ حضرت شیخ کو یہاں اٹھا لاؤ، مؤکل شیخ کے یہاں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت نماز میں ہیں ان کی ہمت نہ پڑی کہ کچھ تصرف کرسکیں، با ادب ایک طرف کھڑے ہوگئے سچ ہے۔

(۱) بندگی۔

ہر کہ ترسید از حق وتقویٰ گزید　　ترسد ازوے جن وانس وہر کہ دید(۱)

جب حضرت فارغ ہوئے تو ان پر نظر پڑی، پوچھا کیا ہے عرض کیا ہم اس واسطے بھیجے گئے ہیں، فرمایا: ہاں اچھا ہم حکم دیتے ہیں کہ ان کو ہی پکڑ لاؤ چنانچہ وہ لوٹ کر گئے اور ان کو پکڑنے لگے، انہوں نے پوچھا یہ کیا کرتے ہو تم تو میرے تابع ہو، وہ بولے بے شک مگر اوروں کے مقابلہ میں نہ کہ شیخ کے مقابلہ میں، چنانچہ لا حاضر کیا۔ خدا کا نام وہ چیز ہے کہ ہر چیز کو مسخر کر لیتا ہے، مؤکل تابع تھے کس کے اور کام دے رہے ہیں کس کو، حضرت شیخ نے عامل صاحب سے پوچھا یہ کیا حرکت تھی، عرض کیا حضرت کی زیارت کو دل چاہتا تھا، فرمایا: زیارت کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ نوکروں سے پکڑ کر بلواؤ، پھر فرمایا کہ تم کس خرافات میں مبتلا ہو، بندگان خدا کو مجبور کر کے اپنا محکوم کیوں بنا رکھا ہے ان کی آنکھیں کھلیں اور حضرت سے بیعت ہوئے اور عملیات سے توبہ کی۔

ہر وقت عبادت کی ضرورت

یہ حکایتیں خدا بننے کے لفظ پر یاد آ گئی تھیں۔ ذکر یہ تھا کہ انسان بندہ ہے کسی وقت خدا نہیں بن سکتا، ہر وقت بندہ ہی ہے پیدا اسی واسطے ہوا ہے کہ بندہ بنے اور بندہ بننے ہی کا ترجمہ ہے، عبادت تو اس کے کیا معنی ہوں گے کہ عبادت کے لیے بھی کوئی خاص وقت ہے اس کے تو وہی معنی ہو جائیں گے کہ ایک وقت بندہ بننے کا ہے ایک وقت خدا بننے کا۔ غرض انسان ہر وقت بندہ ہے اور ہر وقت اس کو عبادت کی ضرورت ہے اور حدیث کا مضمون آپ نے سن لیا کہ عبادت غافل قلب سے مقبول نہیں ہوتی تو ثابت ہو گیا کہ ہر وقت ہی ذکر کی ضرورت ہے اس طرح ثابت ہو گیا کہ غفلت کسی وقت جائز نہیں۔

پہلی تقریر کا حاصل تو یہ تھا کہ ذکر کی ضرورت عبادت ہی کے وقت سہی لیکن ذکر خود عبادت کے وقت بھی بدون اس کے نہیں ہوتا کہ دوسرے اوقات میں بھی اس کا اہتمام واستحضار رہے اس واسطے ضرورت ہوئی اس پر مداومت(۲) کرنے کی۔

(۱) ”جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرا اور تقویٰ اختیار کیا تو اس سے جن اور انسان اور ہر چیز ڈرتی ہے“ (۲) ہمیشگی۔

عبادت اور ذکر دائمی مطلوب ہیں

اور اس تقریر کا حاصل یہ ہے کہ مانا ذکر صرف عبادت ہی کے وقت ضروری سہی مگر عبادت خود دائمی چیز ہے تو ذکر بھی دائمی مطلوب ہوا، دونوں تقریروں میں امر مشترک یہ ہے کہ غفلت کسی وقت جائز نہیں اور خیال تو کیجئے کہ آیا خدا کے ذمہ زیادہ ضروری ہے کہ ہم کو یاد رکھیں یا ہمارے ذمہ زیادہ ضروری ہے کہ ہم خدا کو یاد رکھیں۔ وہ خدا اور غیر محتاج اور ہم بندے اور ہر وقت محتاج۔ ظاہر ہے کہ ان کو یاد رکھنا ہمارے ذمہ زیادہ ضروری ہے وہ اگر ہم کو کبھی بھی یاد نہ کریں تو ان سے کون پوچھنے والا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ تو تم کو کسی وقت بھی نہیں بھولتے۔ اگر وہ ایک آن کے لیے بھی بھول جائیں یعنی رحمت کے ساتھ توجہ نہ فرماویں تو عالم درہم برہم ہوجائے پھر کیا اس کا یہی صلہ ہے کہ تم ان کو ہر وقت بھولے ہی رہتے ہو، کتنی سخت بات ہے، ذرا تو انصاف کرنا چاہیے کیا اس کا کوئی جواب ہوسکتا ہے۔

خلاصہ وعظ

خلاصہ تمام وعظ کا یہ ہوا کہ ہمارے اندر بڑا مرض غفلت کا ہے اور غفلت بھی کونسی محض فضول ادھیڑ بن کی بدولت ان بے بنیاد باتوں میں دل لگائے رکھتے ہیں جن کا سر نہ پیر کہیں گزشتہ باتوں کو یاد کررہے ہیں کہیں آئندہ کی وہ وہ تجویزیں سوچ رہے ہیں جو واقع میں بھی نہیں ہوسکتیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تمام وقت ضائع جارہا ہے حتیٰ کہ عبادت کے وقت بھی ان خیالات سے دل خالی نہیں ہوتا اور ایسی عبادت موافق حدیث مذکور کے قبول نہیں ہوئی اس لیے یہ عبادت کا وقت بھی ضائع ہوگیا۔ اسی طرح ساری عمر ختم ہوجاتی اور بیکار ضائع جاتی ہے اور سب سے غفلت ہوتی تو خیر غضب تو یہ ہے کہ سب سے تو غفلت نہیں بس غفلت ہے تو اللہ سے ہے اور تو سب کی یاد ہے اگر نہیں ہے تو بس اللہ کی نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں نہیں رکھ سکتے تو اور ساری دنیا کو بھی بھلا دیا ہوتا تا کہ کہہ سکتے کہ ہم تو کسی کی یاد بھی نہیں رکھتے نہ اِن نہ اُن کی جیسے ایک ولایتی کا قصہ ہے کہ ہندوستان میں آیا اور ایک حلوائی کی دکان پر سے حلوہ اٹھا کر بھاگا،

لوگ اس کے پیچھے دوڑے تو جھٹ منہ میں رکھ کر فرماتے ہیں، جاؤ نہ ہمارا رہا نہ تمہارا تو یہ بھی ہوتا تو غنیمت تھا کہ نہ ہمارا خیال ہوتا نہ تمہارا نہ اللہ کی یاد ہوتی نہ کسی اور کی۔ یہاں تو غضب یہ ہے کہ اللہ ہی کو بھلا رکھا ہے قلب سے اور دوسرے سارے جہان کو اس میں آباد کر رکھا ہے۔

صاحبو! ان سب کو چھوڑ و اور اللہ کی یاد دل میں بساؤ، اگر اس کی یاد براہ راست نہیں بستی ہے تو بجائے اس کے کہ فضولیات کی ادھیڑ بن میں رہو جنت ہی کا تصور کیا کرو اور بیوی کا اور حور کا قصور کا(۱) اور کبھی اپنے قصور(۲) کا بھی اس سے اعانت ہوگی ذکر اللہ کے حصول میں اور غفلت(۳) کے دور ہونے میں بحمد اللہ اس وقت میں نے غفلت دور کرنے کی ضرورت اور اس کا طریقہ وغیرہ سب بتا دیا ہے۔ اب میں ختم کرتا ہوں دعاء کیجئے کہ حق تعالیٰ ہمارے قلوب کو غفلت سے نجات دیں اور اپنی یاد اور محبت سے پر کردیں تاکہ سب امراض دفع ہو جاویں۔

خلاصہ یہ کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غفلت کی مذمت بیان فرمائی ہے پس اس میں باطن کی اصلاح ہے، انتہیٰ بلفظ حضرت مولانا مدظلہ العالی۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمدٍ وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین، واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین، ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔(۴)

---

(۱) محلات (۲) اپنی کوتاہیوں کا بھی (۳) لاپرواہی کے دور ہونے میں (۴) اٰمین بحرمۃ النبی الکریم علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

خلیل احمد تھانوی
۳ شوال ۱۴۴۲ھ

أخبار الجامعة

ماہ جون، جولائی 2023ء

❁ 24 جون: جامعہ ہٰذا میں تربیت اساتذہ کرام کے عنوان سے تقریب میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی وحضرت نائب مہتمم صاحب مدظلہ العالی نے اساتذہ کرام کو اپنے فرائض منصبی کی طرف توجہ دلائی اور تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت واصلاحِ نفس کو بھی تعلیم کا حصہ اور جزو لازم سمجھنے کی تاکید فرمائی۔

آخر میں تمام اساتذہ کرام نے دعا خیر سے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کو سفر حج کے لیے الوداع کیا۔

❁ 25 جون: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور کے لیے بڑے اعزاز اور تشکر کی بات ہے کہ حضرت مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی دامت برکاتہم مہتمم جامعہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت بخشی کہ سعودیہ کے عالمی مسابقہ حُسنِ قراءۃ عطر الکلام میں پاکستان کی نمائندگی فرمائی جس پر حکومتِ سعودیہ نے مسابقہ کے تمام شرکاء کے ساتھ آپ کو بھی حج بیت اللہ کے لیے منتخب فرمایا اور آپ 25 جون کی فلائٹ سے سفرِ حج پر روانہ ہوگئے۔

الحمد للہ حکومت سعودیہ نے بھی بہت اعزاز واکرام سے نوازا اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے تمام مناسک واعمالِ حج بآسانی مکمل ہوگئے۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے مکہ مکرمہ سے واپسی کے بجائے یکم جولائی تا 14 جولائی ذاتی خرچ پر مدینہ منورہ میں قیام کے لیے درخواست دی جو منظور ہوئی مکہ مکرمہ سے بذریعہ ٹرین مدینہ منورہ پہنچے وہاں قیام کے دوران روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضری وسلام پیش فرمایا اور جنت البقیع میں مدفون حضراتِ صحابہؓ واکابرین امت وشیخ الحدیث مولانا مشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کے حق میں بھی دعائے خیر فرمائی۔

مدینہ منورہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پاکستان کے فضیلۃ الشیخ قاری بشیر صاحب دامت برکاتہم طویل عرصہ سے قراءات کی تدریس انجام دے رہے ہیں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کا معمول ہے کہ ہر سفر میں قاری بشیر صاحب کی مسند کے ساتھ حرم میں

تشریف فرما ہوتے ہیں جہاں مختلف شائقین علوم القرآن الکریم وعلوم القراءات نے آپ سے علمی استفادہ کیا اور مدینہ منورہ حرم نبوی کے مدرس الشیخ الدکتور حامد اکرم بخاری حفظہ اللہ تعالیٰ و دیگر مشائخ علماء وقراء وعلاقہ کے عمائدین ومعززین سے بھی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا اور طلباء قراءات نے موقع غنیمت جانتے ہوئے مختلف کتب سنا کر اجازات حاصل کیں چنانچہ موریطانیہ کے الجامعہ الاسلامیہ بمینسوتا نے بذریعہ آن لائن علم الوقف پر حضرت کے مختصر عربی رسالۃ کا درس سنکر آپ سے خصوصی اجازت حاصل کی۔

دورانِ قیام مدینہ منورہ مختلف تقاریب میں تلاوتِ قرآن کریم کی سعادت بھی حاصل کی۔

الشیخ ڈاکٹر فیصل کی خصوصی دعوت پر اُن کے قائم کردہ ہسپتال میں ڈاکٹر حضرات کے اجتماع میں پھر ڈاکٹر فیصل صاحب کے گھر ایک تقریب میں تلاوتِ قرآن کریم اور دعائے خیر فرمائی۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے حرم سے فاصلہ پر کرایہ پر ایک رہائش لی جہاں قیام وطعام واحباب سے ملاقاتیں رہتیں پاکستان سے سفرِ حج کے لیے گئے مشائخ علماء میں سے کراچی کے مفتی عبدالوحید صاحب ،راولپنڈی کے مولانا قاضی عبدالرشید صاحب، مولانا شفیق الرحمن صاحب ودیگر علماء کی ضیافت فرمائی۔ اس سفر میں حضرت کے قدیم دوست قاری رمضان مرحوم کے بیٹے الشیخ قاری عبدالرحمن خدمت میں پیش پیش رہے۔ حضرت کا یہ تمام سفر بخیر وعافیت مکمل ہوا اور الحمد للہ 14 جولائی پاکستان واپس تشریف لے آئے۔

۞ **20 جولائی:** جامعہ میں اعزازی تقریب ہوئی جس کا مقصد حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کی سفر حج سے بخیر وعافیت واپسی اور حضرت مولانا ڈاکٹر سعد صدیقی صاحب مدظلہ بحیثیت استاذ الحدیث تقرر پر اظہارِ تشکر ہے اس تقریب میں جاپان سے حضرت مہتمم صاحب کے بیٹے قاری سلمان احمد تھانوی صاحب نے بھی شرکت فرمائی۔ تقریب کے آخر میں حضرت مہتمم صاحب نے جامعہ کے استاذ قاری عبدالخالق صاحب کی والدہ مرحومہ کے حق میں بھی تعزیتی دعا فرمائی۔